ISSN 2221-1659

علمی و تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

نور معرفت

مُحَرّم صَفر رَبیعِ اوّل سنہ ۱۴۳۲ ھ

سیرت نمبر

بَلغ العُلٰی بِکمالِہ
کَشفَ الدُّجیٰ بجمالِہ
حسُنت جمیعُ خصالِہ
صلُّوا علیہ و آلِہ

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیرِ نور معرفت کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/ پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔

ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے ای۔میل پر ارسال کی جائے۔

☆ ممکن ہے کہ ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات کے نام ارسال کرے کہ ان پر تحقیق کی جائے۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ کو اختیار کیا جائے اور تفصیل سے لکھے جائیں اس طرح کتاب مصنف، طبع.................................سن طباعت.............ج..............ص .... کے ساتھ مضمون کے آخر میں نمبر لگا کر دیے جائیں۔

☆ رسالہ نور معرفت میں

علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، کلام وفلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون واصول قانون

وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں ''نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر نور معرفت کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

فہرست مطالب

	اداریہ		صفحہ
	سیرت النبی ﷺ اور مسلمان معاشروں کے مسائل	مدیر	۱
	مقالات		
	پیغمبر اکرم ﷺ کی حاکمیت قرآن کی روشنی میں	سید ثمر علی نقوی	۳
	سیرت رسول ﷺ کا بنیادی ماخذ، قرآن	ثاقب اکبر	۱۷
	رسول اکرم ﷺ نہج البلاغہ کی روشنی میں	سید حسنین عباس گردیزی	۲۵
	حقوق النبی ﷺ	ڈاکٹر ساجد علی سبحانی	۳۹
	عصمت پیغمبر ﷺ پر قرآنی شواہد	محمد اصغر عسکری	۵۹
	نبی مکرم ﷺ حضرت ابو طالب- کی کفالت میں	آفتاب حسین جوادی	۶۹
	رسول اللہ ﷺ کی اقتصادی زندگی	روشن علی	۷۷
	امام خمینیؒ کی نظر میں بعثت رسول اللہ ﷺ کا فلسفہ	سید رمیز الحسن موسوی	۸۹
	معرفت کی یقین آوری	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین نادر	۹۵
	’’سیرۃ النبی ﷺ‘‘ مولانا شبلی نعمانی اور ’’اُسوۃ الرسول ﷺ‘‘ فوق بلگرامی کا تقابلی جائزہ	سید حسین عارف نقوی	۱۰۳
	پاکستانی رسائل کے ’’سیرت نمبر‘‘	سید حسین عارف نقوی	۱۱۱
	الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ	سید رمیز الحسن موسوی	۱۱۹

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''**نور معرفت**'' علمی وتحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی وتحقیقی شوق وجستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام مدارس اوراساتذہ وطلاب سے متعلق ہے۔لہذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔ آپ سے گذارش ہے کہ اپنی دینی وعلمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔

تحقیقی اور علمی تحریروں کا دل کھول کر استقبال کیا جائے گا۔تمام تحریریں ،فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہیں۔

مدیر

سہ ماہی نور معرفت،شعبہ تحقیقات

نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد

فون 051-2231937

ای میل noor.marfat@gmail.com

ویب www.nooremarfat.com

اداریہ

سیرت النبی ﷺ اور مسلمان معاشروں کے مسائل

تمام اسلامی معاشروں کی بنیاد دو چیزوں پر استوار ہے اگر یہ دو چیزیں ان سے نکال دی جائیں تو کوئی بھی معاشرہ، اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ وہ دو چیزیں قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔ جس طرح قرآن کریم ایک مسلمان کی زندگی کے لئے ضابطہ حیات ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ بھی عملی نمونہ ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے خود آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کو ہر کلمہ گو کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَة''

اس آیہ مجیدہ کے مطابق ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کو اپنی جلوت وخلوت کے لئے نمونہ عمل بنائے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اُسے کامل اور حقیقی مسلمان ومومن کہلانے کا حق نہیں ہے۔ پھر خود رسول کریم ﷺ نے بھی قرآن کریم اور اپنی عترت واہلبیت ؑ سے تمسک کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے آپ کی اہل بیت ؑ آپ کے بعد ہدایت کے مینار اور شریعت محمدیؐ کے مجری اور بیان کرنے والے ہیں، اور ان دونوں سے تمسک مسلمانوں کی دنیوی واُخروی سعادت مندی کا ضامن ہے۔

جب اُمت کے ہر فرد پر قرآن کریم سے تمسک کرنا اور سیرت رسول کریم ﷺ کو اُسوۂ حسنہ بنانا واجب ہے تو پھر اسلامی معاشروں کے لئے کس طرح جائز ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسول عظیم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت کو نظر انداز کر کے مسلمان اور اسلامی معاشرہ کہلا سکتے ہیں۔ اس وقت کے نام نہاد اسلامی اور مسلمان معاشروں کی تمام بنیادی مشکلات کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ یہ معاشرے نہ تو قرآن کریم سے متمسک ہیں اور نہ سیرت رسول عظیم ﷺ کے پیرو ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی ذمہ داری قرآنی تعلیمات اور سیرت رسولؐ کی ترویج کرنے والے علمائے دین اور دینی مراکز کی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ اطاعت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے آپ کو سیرت رسول ﷺ کا حقیقی داعی ثابت کریں۔ اور اس سلسلے میں خود سیرت رسول ﷺ سے ہی سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے قول وفعل میں مطابقت پیدا کریں کہ جس کے بغیر سیرت رسولؐ کا دعویٰ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا: منقول ہے کہ ایک عورت اپنا بچہ لیکر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی آقا ومولا میرے اس بچے کو نصیحت کیجئے کہ زیادہ شکر نہ کھایا کرے تاکہ اس کے دانت خراب نہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کل میرے پاس لیکر آنا۔ جب وہ عورت

دوسرے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ؐ نے اپنے مخصوص انداز میں بچے کو شکر سے پرہیز کرنے کی نصیحت فرمائی تو اس وقت اس عورت نے عرض کی ۔ آقاؐ ! آپ ؐ یہی نصیحت کل بھی تو فرما سکتے تھے، اس وقفے کا کیا سبب تھا تو ہادی دوعالم ﷺ نے فرمایا: کیونکہ کل میں نے خود شکر کھائی ہوئی تھی، میں اس بچے کو نصیحت کرتا تو اس پر اس کا کیسے اثر ہوتا۔

یہ سیرت رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم پہلو ہے کہ ہماری اُمت کے علماء فقط اسی ایک پہلو پر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو اسلامی معاشروں میں انقلاب برپا ہو جائے۔ ہماری مشکلات اور مسائل کا سب سے بڑا سبب ہمارا سیرت رسول ﷺ کے عملی پہلوؤں سے پہلوتہی کرنا ہے۔ خصوصاً اسلامی معاشروں پر علمائے دین کی ڈھیلی گرفت کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے بعض دینی مراکز اور اُن کے منتظم علمائے دین اپنے معاشروں کو ہر اُس چیز کا حکم دیتے ہیں جو وہ خود انجام نہیں دیتے اور ہر اُس چیز سے منع کرتے ہیں جس پر وہ خود عمل کرتے ورنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسا قرآنی اور نبوی حکم کس طرح بے اثر ہو سکتا ہے کہ جس کے موثر ہونے کی خود قرآن اور تعلیمات نبویؐ نے ضمانت دی ہے۔

ہر اچھے کام کی عملی ترویج اور ہر برائی کی عملی رکاوٹ؛ سیرت نبویؐ کا وہ عظیم اُصول ہے کہ جس نے معاشروں کی کایا پلٹ دی ہے۔ خود عرب معاشرے میں کس طرح انقلاب آیا، اس کی سب سے بڑی وجہ رسول اللہ ﷺ کی یہی سیرت تھی کہ جو آپ ؐ نے اس بچے کے بارے میں اپنائی تھی۔ یہی سیرت اگر آج کے مسلمان معاشروں کے دینی رہنماؤں کی زندگیوں کا نصب العین بن جائے تو کسی بھی اسلامی معاشرے میں نہ تو کوئی اجتماعی مشکل باقی رہے نہ سیاسی اور معاشی مشکل، تفرقہ ہو، نہ طاغوت کی اطاعت ہو اور نہ عالمی شیطانی طاقتوں کے کارندے اسلامی معاشروں پر مسلط ہو کر دشمنان خدا کے قوانین کا اجرا کرسکیں۔

جن علمائے دین نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اس پہلو کو اپنی زندگی میں اپنایا ہے تو اُنہوں نے اپنے اپنے معاشروں کی تقدیر بدل کر رکھ دی ہے جس کی سب سے بڑی مثال ہمارے معاصر دینی و سیاسی رہنما حضرت امام خمینیؒ کی ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حقیقی پیروکار بن کر اپنی قوم کو ہر وہ حکم دیا ہے جس پر پہلے خود عمل کیا ہے اور پھر دنیا نے دیکھا ہے کہ جس معاشرے کی خمینیؒ جیسا پیرو رسولؐ قیادت کر رہا تھا وہ گزشتہ ۳۲ سال سے عالمی کفر و شرک کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا ہوا ہے۔ ہمارے معاشروں خصوصاً پاکستان کے معاشرے کی تمام مشکلات کا حل یہی ہے جہاں ہمارے عوام کو سیرت نبویؐ کے اس پہلو پر توجہ دینی چاہیے وہاں ہمارے خواص اور علمائے دین کو بھی سیرت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الٰہی فریضے کو عملی طور پر انجام دینا چاہیے۔ آج سیرت نبویؐ کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے کہ ہم سیرت نبویؐ کو قول کے بجائے عمل کے میدان میں اپنائیں تاکہ ہماری اجتماعی، سیاسی، ثقافتی اور دوسری تمام مشکلات اور مسائل حل ہو سکیں۔

☆☆☆☆☆

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکمیت از نظر قرآن

سید ثمر علی نقوی ☆

مقدمہ:

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو انسانی معاشرہ کی فلاح اور اصلاح کی غرض سے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے نازل کیا، دین درحقیقت ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جو خالق کائنات کی جانب سے انسان کی ہدایت کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے، قرآن مجید میں انسانی ضرورت کے تمام اصول وضوابط کو بیان کیا گیا ہے، انسان چونکہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی کا حامل ہے بنابریں قرآن مجید کا اکثر و بیشتر حصہ بلکہ مکمل طور پر اجتماعی وسیاسی مسائل پر مشتمل ہے، مباحث قرآن کا محور و مرکز توحید ہے، توحید کی اقسام میں سے جہاں توحید ذاتی، صفاتی، افعالی اور عبادی پر بحث وتفسیر کی ضرورت ہے وہیں ''توحید ربوبیت'' بھی حائز اہمیت ہے جو توحید افعالی کی ایک قسم شمار ہوتی ہے جس سے انسان کو یہ درس ملتا ہے کہ جس طرح خدا کے علاوہ ''خالق'' کوئی نہیں ہوسکتا اس طرح اللہ کے بغیر پورے عالم کے امور کی مدیریت کے لائق بھی کوئی نہیں ہوسکتا، نظام کائنات کو چلانے میں خدا کا شریک تسلیم کرنے والا بھی اُسی طرح مشرک ہے جس طرح تخلیق کائنات میں خدا کا شریک ٹھہرانے والا مشرک ہے۔

حقیقت میں توحید خالقیت پر اعتقاد کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام امور کی تدبیر کا مالک بھی ''ایک خدا ہے'' انسانی معاشرہ کی تدبیر کو عملی صورت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نمائندہ بنا کر بھیجا، انبیاء ÷ کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت اور معاشرے پر عادلانہ نظام کا قیام تھا۔

''هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ'' [1]

''وہی (خدا) ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے۔۔۔''

☆ مسئول دار التبلیغ، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بہارہ کہو، اسلام آباد

نیز فرمایا

''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَامَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ...''[۲]

''اور ہم نے اپنے انبیاء کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب (قانون) اور میزان (عدالت) کو بھی نازل کر دیا تا کہ لوگوں میں انصاف کو قائم کریں''

اسلام کا بنیادی مقصد انسان کو اندرونی اور بیرونی سطح پر تربیت کرنا ہے۔ بنابریں تزکیہ نفس کے بعد معاشرتی تزکیہ (اصلاح) کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو ایک مشترکہ لائحہ عمل دے کر بھیجا تا کہ لوگوں کو خدا کے نظام کے تحت زندگی گزارنے اور ہر قسم کے غیر متعادل نظام سے پرہیز کرنے کا درس دیں۔

''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوااللّٰهَ وَاجْتَنِبُواالطَّاغُوْتَ''[۳]

''یعنی ہم نے ہر زمانہ میں رہنے والے لوگوں کے لیے جو رسول بھیجا اس کا ایک ہی شعار تھا کہ اللہ کی بندگی و عبادت کرو اور ظالم طاغوت سے دور رہو''

اس آیہ اور دیگر بہت سی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبیؑ نے اپنے زمانہ میں موجود غیر الٰہی حکمرانوں کے تسلط سے قوموں کو آزاد کرانے کے لیے نہ صرف زبانی تبلیغ کی ہے بلکہ طاغوتی حاکمیت کے خاتمہ کے لیے عملی جدوجہد کی اور بعض نے کامیابی کے بعد اللہ کی حاکمیت کو معاشرے پر نافذ بھی کیا ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا واضح ذکر قرآن میں موجود ہے، اسی طرح دیگر انبیاء جن میں حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیمؑ کی طاغوت شکن جدوجہد کا ذکر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں پر صرف اللہ کی حکومت ہونے کی صورت میں ہی توحید عملی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ حضرت پیغمبر ﷺ کی سیاسی حاکمیت میں عقلی اعتبار سے تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اس لیے کہ ایک طرف انسان کا بغیر حکومت کے زندگی گزارنا، ناممکن ہے اور دوسری طرف خالق انسان کے علاوہ حکومت کا کامل نظام دینے کا کوئی اہل نہیں ہے نیز دیگر انبیاء کی بعثت کا مقصد معاشرے پر اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہے تو خاتم الانبیاء ﷺ کو صرف تبلیغ و ارشاد کی ذمہ داری تک محدود کرنا کس طرح ممکن ہے؟

لیکن قرآنی آیات کے تناظر میں ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ مبلغ احکام ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی حاکمیت کے حامل بھی تھے جو در حقیقت خلافت کی شکل میں الٰہی حاکمیت ہے، البتہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عقلی ادلہ اور بہت سی آیات کے باوجود بعض علماء[۴] پیغمبر اکرم ﷺ کے سیاسی منصب اور آپؐ کی سیاسی حاکمیت کا انکار کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں کہ آپؐ صرف مبدا و معاد کی تبلیغ پر مامور تھے اور ان کا معاشرے کی سیاسی قیادت و راہبری سے کوئی تعلق نہ تھا جس کی وجہ سے اس موضوع کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

دین اور معاشرہ:

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیاسی قیادت کے اثبات سے پہلے ''دین'' کی حقیقت کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ آپ جس ''دین'' کے ''مبلغ'' تھے اُس کی صحیح صورت سامنے آسکے، قرآن مجید کی نظر میں دین سے مراد ''انسانی زندگی کی عملی روش کا حدود اربعہ'' ہے، جس کی ایک دلیل وہ آیات ہیں جن میں خداوندِ متعال نے کفار و مشرکین کے راہ و رسم اور زندگی گزارنے کی روش کو بھی ''دین'' سے تعبیر کیا ہے۔

''لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ''[۵]

''تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین''

اسی طرح فرعون جو اپنے علاوہ کسی کو خدا تسلیم نہیں کرتا تھا، لیکن حضرت موسیٰ - کے مقابلے کے لیے عوام کو بھڑکانے کی خاطر ''دین'' کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے:

''اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ''[۶]

''مجھے ڈر ہے کہ یہ (موسیٰ) تمہارا ''دین'' بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد برپا کرے گا''

خداوند کریم نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی زبان سے زندگی گزارنے کے چند طور طریقے بیان کرنے کے بعد لوگوں کو اسی راستے (دین) پر چلنے کی تاکید فرمائی۔

''وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ''[۷]

''اور بتحقیق یہی (دین) میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے''

بنابریں انسانی زندگی گزارنے کی روش اور طور طریقے دو قسم کے ہو سکتے ہیں ایک باطل راستہ ہے جو شیطان اور شیطانی حکمرانوں کا طور طریقہ ہے اور دوسرا فطرت انسانی کا راستہ ہے کہ جس کی طرف خدا نے اپنے نمائندوں کے ذریعے دعوت دی ہے اور اسی راہ و روش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر نبی الٰہی نے کوشش بھی کی ہے لیکن شیطانی و طاغوتی حکمرانوں کی عوام فریبی کی وجہ سے صرف چند انبیاء حاکمیت الٰہی کو نافذ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس میں ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کے ہاتھوں قائم ہونے والی حکومت ایک بہترین نمونہ ہے، عصر حاضر کے عظیم مفسر قرآن علامہ طباطبائی نے بھی انسانی معاشرہ میں راہ و روش کو دین سے تعبیر کیا ہے اور سورۂ روم کی آیت ۳۰ کی تفسیر میں ''دین'' کو ''دین فطرت'' کے طور پر ثابت کیا ہے۔[۸]

دین فطرت سے مراد یہ ہے کہ انسانی خلقت کے اندر خالق انسان نے زندگی گزارنے کے وہ طریقے جو انسان کو کمال و ترقی تک لے جانے کا وسیلہ ہیں، ودیعت کر دیئے ہیں، اسی بنا پر اپنے آخری نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اسی فطری

دین پر قائم رہو، تا کہ اپنی امت کی قیادت وراہبری کرتے ہوئے انہیں کمال کی منزل پر فائز کرسکو۔

''فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ''[9]

''پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رُخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو خلق کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں آتی یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

اس آیہ مجیدہ میں بھی خدا نے نظام حیات کو دین سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا یہ ایسا نظام حیات ہے جو دیگر نظام کائنات کی طرح نظم وضبط اور ہم آہنگی پر قائم ہے اور چونکہ تخلیقی نظام ہے لہذا کبھی تبدیلی نہیں آئے گی یعنی، فطرت اور شریعت میں وحدت واتحاد قائم ہے اسی بنا پر انبیاء ؑ کو بھیجا تا کہ ظالمانہ ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس مدفون فطری نظام کو روشن واجاگر کریں۔

علامہ طباطبائی کہتے ہیں:

دین فطرت سے مراد وہ قوانین وضوابط ہیں جو انسان پسند ہیں کیونکہ یہ انسان کی خلقت کے ساتھ مربوط ہیں اور انسانی عقل سے مکمل طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔[10]

پیغمبر ﷺ کی سیاسی حاکمیت سے مراد کیا ہے؟

آپ ؐ کی سیاسی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے جملہ امور کی قیادت وراہبری اور حکمرانی کا حق خداوند تعالیٰ نے اپنے معصوم نمائندے حضرت پیغمبر ﷺ کو عطا کیا ہے، یعنی پیغمبر اکرم ﷺ صرف احکام الہیٰ کو بیان کرنے والے نہیں یا لوگوں کے باہمی اختلافات اور مشاجرات کے حل کے لیے صرف قاضی تحکیم نہیں کہ قضاوت کرتے ہوئے صرف فیصلہ سنا دیں بلکہ اس قضاوت اور فیصلہ پر عمل درآمد کرانے کے بھی ذمہ دار ہیں، حاکمیت کا نقط ''حکم'' سے ماخوذ ہے اور قرآن مجید میں ''حکم'' سے مراد تشریع یعنی قانون وضع کرنا اور معاشرے پر قانون کو حاکم قرار دینا ہے، جو کہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

''وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ ''[11]

''اور جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا''

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلے کو عملی طور پر نافذ کرانے کے لیے اپنا اختیار اپنے نبی ؐ کو تفویض کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

''اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ''[12]

''(اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے تا کہ جیسے اللہ نے آپ کو بتایا ہے اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کریں''

اگر چہ یہ آیت شان نزول کے لحاظ سے ایک چوری کے فیصلہ سے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن یہ ثابت شدہ ہے کہ شان نزول مراد متکلم کو محدود و منحصر کرنے کا باعث نہیں بنتا، اس بنا پر پیغمبر اکرم ﷺ ہر قسم کے فیصلے کرنے اور انہیں عملی طور پر نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں باالفاظ دیگر معاشرے پر حکومت کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

امام خمینیؒ کا نظریہ :

''حکم عقل اور ضرورت ادیان کی رو سے انبیاء ؑ کی بعثت کا مقصد اور کار انبیاء ؑ صرف مسئلہ گوئی اور بیان احکام نہیں تھا اور ایسا نہیں ہے کہ مسائل و احکام بذریعہ وحی رسول اکرم ﷺ کو پہنچے ہوں اور آنحضرتؐ و امیر المومنین۔ اور دیگر ائمہ ؑ صرف 'مسئلہ گو' رہے ہوں کہ خداوند عالم نے ان حضرات کو صرف اس لیے معین کیا ہے کہ مسائل و احکام کو کسی خیانت کے بغیر لوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور انہوں نے بھی اس امانت کو فقہا کے حوالے کر دیا ہو کہ جو مسائل انبیاء سے حاصل کیے ہیں کسی خیانت کے بغیر لوگوں تک پہنچا دیں اور اس طرح 'الفقھاء امناء الرسل' کا مطلب یہ ہو کہ فقہاء بیان مسائل میں امین ہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ انبیاء ؑ کا اہم ترین فریضہ قوانین و احکام کو جاری کر کے عادلانہ اجتماعی نظام قائم کرنا ہے جو یقیناً بیان احکام و نشر تعلیمات الٰہی کے ساتھ ساتھ ایک طاقتور حکومت کا خواہاں ہے''

نیز فرماتے ہیں کہ:

خداوند عالم نے جو خمس کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

''وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُم مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی . . '' [۱۳]

''اور جان لو کہ جو کچھ مال کسب کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول اور اس کے قرابت داروں کے لیے مخصوص ہے۔۔۔''

یا زکوۃ کے لیے جو فرمایا ہے:

''خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً'' [۱۴]

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجئے''

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم کو صرف احکام بیان کرنے کے لیے معین نہیں کیا بلکہ ان احکام کے نفاذ اور اجراء کی ذمہ داری کو بھی ان کے سپرد کر دیا ہے آپؐ اس پر مامور تھے کہ خمس، زکات اور خراج جیسے ٹیکسوں کو وصول کر کے مسلمانوں کو نفع پہنچانے پر خرچ کریں قوموں اور افراد کے درمیان عدالت کو وسعت دیں، حدود کو جاری کریں، سرحدوں کی حفاظت کریں، ملک کی آزادی کو قائم کریں اور حکومت اسلامی کے ٹیکسوں کو خورد برد سے بچائیں۔ [۱۵]

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیاسی حاکمیت سے متعلق آیات:

اس سلسلے میں کثیر تعداد میں آیات موجود ہیں جنہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایسی آیات جن میں اطاعت پیغمبر اکرم ﷺ کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ جو پیغمبر اکرم ﷺ کی ولایت وحکومت سے متعلق ہیں۔

۳۔ وہ آیات جو پیغمبر اکرم ﷺ کو تمام امور اجتماعی میں محور ومرکز قرار دیتی ہیں۔

۱۔اطاعت پیغمبر ﷺ سے متعلق آیات:

اس قسم کی آیات میں مختلف صورتوں میں پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کو مورد تاکید قرار دیا گیا ہے، بعض آیات میں بلاتفریق تمام انبیاء کی اطاعت کیے جانے کو اہداف بعثت میں شمار گیا گیا ہے۔

''وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ''[۱۶]

''ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے''

بعض آیات میں رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کا تسلسل قرار دیا ہے

''مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ''[۱۷]

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''

مندرجہ بالا آیات میں درحقیقت پیغمبر ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کیا تا کہ لوگ دل وجان سے اپنے راہبر کی پیروی کریں، اس کے علاوہ کچھ آیات ایسی ہیں جن میں براہ راست پیغمبر اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

''اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ''[۱۸]

''اللہ کی پیروی کرو اور اس کے رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی پیروی کرو''

ایک اور مقام پر فرمایا:

''اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ ''[۱۹]

''اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو اور تم حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی نہ کرو''

اگر چہ ان آیات میں اطاعت خداوند کا بھی ذکر ہے لیکن اصل مقصد پیغمبر اکرم ﷺ کی اطاعت کو بیان کرنا ہے، چونکہ بعد والی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو رسول اکرم ﷺ کی بات سنتے لیکن عمل نہیں کرتے تھے ایسے لوگوں کو بدترین جانوروں سے تعبیر کیا گیا ہے، جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے اور حضور ﷺ کے نظام کے مطابق چلنے کو حیات بخش قرار دیا ہے۔[۲۰]

علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم علیحدہ طور پر کسی آیت میں ذکر نہیں ہوا جب کہ بہت سے آیات میں پیغمبر اکرمؐ کی

اطاعت کو علیحدہ بھی بیان کیا ہے۔

''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ''[۲۱]

''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''

گویا جس طرح نماز و زکات یا دیگر احکام، عملی زندگی کا حصہ ہیں اسی طرح پیغمبرؐ کا ہر حکم بھی عملی زندگی کا حصہ ہے سینکڑوں احکام میں سے نماز و زکات جیسے دو نمونے ذکر کرنے کا مقصد شاید یہ تھا کہ جس طرح نماز و زکات کے بغیر انسانی معاشرہ کمال و ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا اسی طرح حاکم اسلامی کی اطاعت اور ان کے دیگر اوامر کی پیروی کے بغیر بھی انسانی کمال کا راستہ طے کرنا ناممکن ہے۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ رسول کی اطاعت و پیروی کو مستقل طور پر بیان کیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے کچھ ایسے اوامر و احکام بھی صادر ہوں گے جن کا ذکر قرآن میں درج نہیں ہے وگرنہ پیغمبر کی اطاعت کی الگ سے تاکید کرنا لغو و بیہودہ قرار پائے گا نیز یہ کہ بعض انبیاء کی زبان سے تو خدا نے واضح طور پر بیان کیا کہ نبی کی اطاعت کے بغیر تقویٰ کا مقام بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت نوح - کی زبانی نقل فرمایا:

''اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌO فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ''[۲۲]

''میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں O لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''

حضرت نوح - کا ''اطیعوا اللہ یا اطیعوا ربی '' جیسی تعبیر کی بجائے ''اطیعونی'' کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ بہت سے احکام ''کتاب اللہ'' میں موجود نہ بھی ہوں رسول کو امانت دار نمائندہ الٰہی سمجھتے ہوئے اطاعت کرنے میں انسان کی فلاح و سعادت مضمر ہے۔

اس قسم کی جملہ آیات کا انداز یہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ معاشرتی و اجتماعی احکامات صادر کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں اور اللہ کی جانب سے ان احکام کو نافذ کرنے کا اختیار بھی انہیں کو حاصل ہے، نیز بعض آیات کی رو سے اللہ کا رسول اپنے ''اختیار حاکمیت'' میں دیگر افراد کو بطور نائب منصوب کرنے کا مجاز بھی ہے، جیسے حضرت موسیٰ - نے حضرت ہارون - کو فرمایا:

''وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ ''[۲۳]

''میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا۔۔۔''

حضرت ہارون - نے بھی قوم سے یہی کہا کہ جب ''رحمٰن'' پروردگار پر ایمان لے آئے ہو تو میرے راستے پر چلو اور میرے ہر حکم پر عمل کرو۔

''وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ''[۲۴]

''اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم ! بے شک تم اس (بچھڑے) کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے ہو جب کہ تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے لہذا تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو''

بعض آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ کی اطاعت بطور مطلق اور عمومیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے یعنی لوگوں پر واجب ہے کہ اپنے ہر قسم کے انفرادی و اجتماعی امور میں پیغمبر ﷺ کی پیروی کریں۔

''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ''[۲۵]

''اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ''

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ملتا ہے کہ یہ فئے (بغیر جنگ کے ہاتھ آنے والے مال) کی تقسیم کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مسلمانوں پر واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ اگر کسی مصلحت کی بنا پر غیر مساوی تقسیم بھی کرتا ہے تو اس کے ہر فیصلہ پر دل و جان سے عمل کیا جائے۔ اگر چہ ''ما'' مطلق ہے اور ہر قسم کے فرامین رسول ﷺ کو شامل ہے اور روایات میں بھی اس آیہ کے ضمن میں پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام فرامین کو مراد لیا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک الٰہی نمائندے و اسلامی معاشرے کے حکمران ہونے کی حیثیت سے احکام صادر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اس ''حق حاکمیت'' کی بنا پر واجب الاطاعت بھی ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب:

کچھ لوگوں نے اطاعت پیغمبر ﷺ کے بارے میں اعترافات وشبہات پیدا کیے ہیں، منجملہ یہ کہ بعض آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کی گئی ہے اور تمام امور کو خدا کی طرف نسبت دی گئی، جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

''لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ ''[۲۶]

''(اے رسول) اس بات میں آپ کا کوئی دخل نہیں، اللہ چاہے تو انہیں معاف کر دے یا چاہے تو سزا دے''

نیز فرمایا:

''اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ''[۲۷]

''ہر قسم کا امر (اختیار) اللہ کے ساتھ مختص ہے''

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کا اس مطلب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کا مزاج رکھنے والوں کے شک کے جواب میں فرمایا کہ ہر قسم کی فتح یا شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز جنگ احد میں شکست کے وقت کفریہ جملے

کہنے والوں کی سزا یا بخشش کے بارے میں توحید کا درس دینے کی غرض سے فرمایا۔ دوسری آیہ مجیدہ میں اگر چہ ہر قسم کے امور کو اللہ کے ساتھ مختص ہونا بیان ہوا ہے لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں اکثر امور کو خدا نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ہدایت کے مسئلے میں ایک مقام پر فرمایا۔

''اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ''[28]

''(اے محمدؐ) جسے آپ چاہتے ہیں اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''

جب کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

''اِنَّکَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ''[29]

''بے شک آپ ہی سیدھے راستے کی جانب راہنمائی کر رہے ہیں''

اس قسم کی آیات، کئی مقامات پر ملتی ہے کہ خداوند متعال بعض امور کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے پھر انہی امور کو اپنے نمائندے کی طرف بھی نسبت بھی دیتا ہے، جس کی مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ تمام امور کا تعلق ذاتی طور پر اللہ کے ساتھ ہے لیکن اللہ اپنے اذن اور اجازت سے یہ امور اپنے انبیاء کو سپرد کرتا ہے اگر غور کیا جائے تو توحید و نبوت کی حقیقت بھی یہی ہے، پس نتیجہ یہ نکلا چونکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تسلسل ہے اس بنا پر آپؐ نہ صرف مبلغ دین ہیں، بلکہ اسلامی حاکم ہونے کے عنوان سے دینی احکام کو عملی طور پر نافذ کرنے کے ذمہ دار بھی ہیں۔

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی ولایت و حکومت سے متعلق آیات:

اس قسم میں بعض آیات ولایت پیغمبر ﷺ کو ولایت خدا کی صف میں بیان کرتی ہیں اور بعض آیات میں علیحدہ سے ولایت پیغمبر کو ذکر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ''[30]

''تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں''

''وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ''[31]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو اپنا ولی (سرپرست) بنائے گا (تو وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جائے گا) اور اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے''

نیز فرمایا:

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ''[32]

''نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کے تمام انفرادی واجتماعی امور میں رسول خدا ﷺ کو ولایت وحاکمیت حاصل ہے یعنی پیغمبر ﷺ کے احکامات کے مقابلے میں لوگوں کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو لوگوں کے معاشرتی واجتماعی امور میں دخالت کا نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان امور میں پیغمبر ﷺ کا حکم ہی نافذ العمل سمجھا جائے گا، اس ضمن میں علامہ طباطبائی فرماتے ہیں۔

''ان کے نفسوں'' (انفسهم) سے مراد خود مومنین ہیں پس آیت کا معنی یہ ہوا کہ پیغمبر اکرم ﷺ مومنین پر مومنین سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں''

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی پیغمبر اکرم ﷺ اور عام لوگوں کی رائے میں تعارض یا اختلاف پیدا ہو جائے تو پیغمبر ﷺ کی رائے کو ترجیح اور برتری حاصل ہوگی مختصر یہ کہ مومنین جن امور میں ذاتی اختیار رکھتے ہیں جیسے حفاظت، محبت عزت، کسی کی دعوت کو قبول کرنے یا اپنے ارادے پر عمل کرنے میں، پیغمبر ﷺ ان سب امور میں ان پر حق اولویت رکھتے ہیں اور ان کے مقابلے میں پیغمبر ﷺ کا ارادہ فوقیت رکھتا ہے۔[۳۲]

ان آیات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ معاشرتی وسیاسی امور میں جب پیغمبر اکرم ﷺ کوئی فیصلہ کر دیں تو اسے مقدم سمجھا جائے گا اور اس کی روایات میں بھی وضاحت موجود ہے نیز تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ باذن اللہ ولایت تشریعی (قوانین کے وضع ونفاذ) کے منصب پر فائز ہیں۔

۳۔تمام معاشرتی وسیاسی امور میں پیغمبر ﷺ کو محور قرار دینے والی آیات:

قرآن مجید میں خداوند متعال نے اپنے رسول ﷺ کو معاشرے کا ایسا محور ومرکز قرار دیا ہے کہ جس کے گرد جملہ امور کی گردش ہونی چاہیے، سورۂ نور میں مومنین کو تاکید کی گئی ہے کہ ''ایمان'' کی شرط یہ ہے کہ تمام امور میں پیغمبر ﷺ کے تابع رہیں۔

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''[۳۳]

''مومنین تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے میں رسول کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں ہلتے جو لوگ آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں یہ یقیناً وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں''

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اجتماعی مسائل میں مومنین کے مشورے کو شامل کر کے انہیں اعتماد میں لیتے تھے لیکن آخری فیصلہ پیغمبر ﷺ کا ہوتا اور مومنین آپؐ کے فیصلوں کے پابند ہوتے تھے نیز اس آیت میں خداوند حکیم نے ایک کلی قانون بھی بیان کر دیا ہے کہ معاشرتی وسیاسی امور میں ذاتی وانفرادی رائے کی کوئی حیثیت

نہیں بلکہ ہمیشہ پیغمبرؐ کی اجازت سے معاملات طے ہونگے۔اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

''لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا......''

''(اے مومنو!) تمہارے درمیان رسول کو پکارنے کا انداز ایسا نہ ہو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو...''

''دعاء الرسول'' کے معنی میں بعض نے دو احتمال دیئے ہیں ایک رسول ﷺ کو پکارنا دوسرا رسول ﷺ کا پکارنا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے تو ایک اخلاقی نکتہ کی طرف راہنمائی ہے کہ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو رسول ﷺ کو اس طرح مت پکارو اگر چہ رسول اکرم ﷺ تواضع وانکساری ضرور فرماتے ہیں، لیکن امت کو رسالت کی منزلت کا لحاظ رکھنا چاہیے، جب کہ دوسرے معنی کے لحاظ سے ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یعنی رسول ﷺ کے بلانے کو عام آدمیوں کے بلانے کی طرح مت سمجھو، رسول ﷺ کا بلانا، اللہ کا بلانا ہے، اس لیے کہ رسول ﷺ کے بلانے پر فوری لبیک کہنا ایمان کا تقاضا ہے۔احتمال کی حد تک تو پہلا معنی بھی درست ہے اور اخلاقی دستور کے لحاظ سے صحیح بھی ہے لیکن آیت میں موجود بعض تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر دوسرا معنی مقصود ہے کیونکہ اس حکم کے فوری بعد فرمایا:

''فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ''[۳۴]

''جو لوگ حکم رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا خوف رہنا چاہیے کہ مبادا وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب آ جائے''

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

''دعاء الرسول سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ کا لوگوں کو کسی کام کے لیے بلانا ہے جیسے ایمان و عمل صالح کی طرف بلانا، اجتماعی کاموں میں مشورت کے لیے بلانا، نماز جامعہ کے لیے بلانا یا دنیاوی واخروی معاملات کے سلسلہ میں احکامات صادر کرنے کی غرض سے بلانا ہے، لہذا یہ سب پیغمبر ﷺ کے بلانے میں شامل ہیں''[۳۵]

پس معلوم ہوا کہ اگر کبھی کسی جنگ کی طرف روانہ ہونے کے لیے بلائیں یا اجتماعی و معاشرتی زندگی کے لحاظ سے ایک نجات بخش تحریر لکھنے کے لیے بلائیں تو اس قسم کی اجتماعی دعوت کی مخالفت کرنے والا حقیقی مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا۔بنابریں دونوں احتمالات کے باوجود پیغمبر ﷺ کی اجتماعی وسیاسی معاملات میں مرکزیت کو کسی صورت میں رد نہیں کیا جا سکتا۔علاوہ ازیں سیاسی حاکمیت کے لیے مالی امور کو ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے اور قرآن مجید میں زکات وخمس اور انفال کو پیغمبر ﷺ کے اختیار میں دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند متعال اپنے نبی ﷺ کو اسلام کا سیاسی حاکم متعارف کرانا چاہتا ہے، ارشاد رب العزت ہے:

''وَلَوۡ اَنَّہُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَرَسُوۡلُہٗۤ اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ''[۳۶]

''اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اوراس کے رسول نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ اس پر راضی ہو جاتے اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اوراس کا رسول بھی ، ہم تو اللہ سے لولگائے بیٹھے ہیں''

اس آیت میں زکات کی تقسیم میں پیغمبر اکرم ﷺ کو کلی اختیار دیا گیا ہے نیز فرمایا:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَ نْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ''[۳۷]

''(اے رسول) آپؐ سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے یہ انفال اللہ اور رسول کے ہیں)''

اگر چہ انفال کا حکم جنگ بدر کی غنیمت کے بارے میں آیا ہے تاہم یہ حکم ہر قسم کے انفال یعنی اموال زائد کو شامل ہے مثلاً متروک آبادیاں، پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگل، غیر آباد زمینیں اور لاوارث املاک وغیرہ جو کسی کی ملکیت نہ ہوں اس طرح وہ اموال جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوں جنہیں ''فـئـی'' کہتے ہیں یہ سب اللہ اور رسول ﷺ کی ملکیت ہیں یعنی اسلامی حکومت کی جائیداد میں شامل ہیں۔[۳۸]

مندرجہ بالا امور کی سر پرستی رسول کے سپرد کرنا یا جہاد کے امور کی سر پرستی کا رسول ﷺ کے ساتھ مختص کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کو سیاسی امور پر بھی حاکمیت حاصل تھی۔

☆☆☆☆☆

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْ عَلَیْہِ وَآلِہٖ

حوالہ جات

۱۔ القرآن،الجمعہ،۲
۲۔ القرآن،الحدید،۲۵
۳۔ القرآن،النحل،۳۶
۴۔ مجلّہ حکومت اسلامی۔سال اول،شمارہ دوم،۲۲۴
۵۔ القرآن،الکافرون،۶
۶۔ القرآن،الغافر،۲۶
۷۔ القرآن،الانعام،۱۵۳
۸۔ محمد حسین،طباطبائی،المیزان فی تفسیر القرآن،ج۴،ص۱۲۲،ج۱۴،ص۱۷۸
۹۔ القرآن،الروم،۳۰
۱۰۔ محمد حسین،طباطبائی،المیزان فی تفسیر القرآن،ج۶،ص۱۸۹
۱۱۔ القرآن،الشوریٰ،۱۰نیز
۱۲۔ القرآن،النساء،۱۰۵
۱۳۔ القرآن،الانفال،۴۱
۱۴۔ القرآن،التوبہ،۱۰۳
۱۵۔ روح اللہ،امام خمینیؒ،حکومت اسلامی،ص۷۱۔۷۰
۱۶۔ القرآن،النساء،۶۴
۱۷۔ القرآن،النساء،۸۰
۱۸۔ القرآن،النساء،۵۹
۱۹۔ القرآن،الانفال،۲۰
۲۰۔ القرآن،الانفال،۲۱۔۲۴
۲۱۔ القرآن،النور،۵۶
۲۲۔ القرآن،الشعرا،۱۰۷۔۱۰۸
۲۳۔ القرآن،الاعراف،۱۴۲
۲۴۔ القرآن،طٰہٰ،۹۰

۲۵۔ القرآن، الحشر، ۷
۲۶۔ القرآن، آلعمران، ۱۲۸
۲۷۔ القرآن، آلعمران، ۱۵۴
۲۸۔ القرآن، القصص، ۵۶
۲۹۔ القرآن، الشوریٰ، ۵۲
۳۰۔ القرآن، المائدہ، ۵۵، ۵۶
۳۱۔ القرآن، المائدہ، ۵۶
۳۲۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، ج۱۶، ص۲۷۶
۳۳۔ القرآن، النور، ۶۲
۳۴۔ القرآن، النور، ۶۳
۳۵۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، ج۱۵، ص۱۶۶
۳۶۔ القرآن، التوبہ، ۵۹
۳۷۔ القرآن، الانفال، ۱
۳۸۔ نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص۲۳۶

☆☆☆☆☆

سیرت رسول ﷺ کا بنیادی ماخذ، قرآن

سید ثاقب اکبر☆

سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے دنیا کی تقریباً سو زبانوں میں لاکھوں جلدوں پر مشتمل کتب موجود ہیں۔[1]

اس سیرت نویسی کا آغاز مغازی رسول ﷺ کے حوالے سے حضرت عروہؓ بن زبیر (م۹۴ھ) نے پہلی دستاویز تیار کر کے کر دیا تھا۔ اُن کے بعد یہ سلسلہ مختلف حوالوں سے شروع ہو گیا۔ کسی نے حدیث کے عنوان سے آنحضرتؐ کے اقوال و فرمودات کی جمع آوری سے آغاز کار کیا، کسی نے تاریخ نویسی کے عنوان سے قلم سنبھالا اور کسی نے سیرت نگاری کے عنوان سے کام کی ابتدا کی۔ چودہ صدیاں گزر گئیں اور یہ سلسلہ شرق و غرب میں متنوع انداز سے آگے بڑھ رہا ہے۔ سیرت رسول پر لکھی گئی کتب کی فہارس و کتابیات انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ بات بڑے اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں کسی شخصیت کے بارے میں اتنا نہیں لکھا گیا جتنا آنحضرتؐ کے بارے میں۔ شاید یہ جملہ حق مطلب ادا نہیں کر پایا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کسی شخصیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی نسبت عشرِ عشیر بھی نہیں لکھا گیا۔ قرآن حکیم کی یہ بات اس پہلو سے بھی حق ثابت ہوتی ہے کہ:

”وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ“[2]

ایسا ہونا ہی تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ذیل میں ہم مثال کے طور پر چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

وجوہات:

(1) حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا۔ اس لیے رہتی دنیا تک آپؐ کے پیغام کو باقی رکھنا ضروری ہو گیا۔

(2) اللہ نے آپ کو ”کَآفَّةً لِّلنَّاس“[3] یعنی ساری انسانیت کے لیے ہادی و راہنما بنا کر بھیجا اور آپ کو ”رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ“[4] اور ”لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا“[5] کا تاج پہنا کر عالمین کی رشد و ہدایت کا مسند نشیں قرار دے دیا۔

☆محقق، دانشور، شاعر، صدر نشین، البصیرہ، اسلام آباد

(3) اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کے بارے میں اہل ایمان سے فرمایا:

"لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ"[٦]

"بے شک تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"

اس کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا کہ آپ کی سیرت اور اسوہ پر نظر رکھیں اور اسے اپنی انفرادی و اجتماعی حیات کے لیے آئینہ قرار دیں۔

جو لوگ آپؐ کی حیات مبارکہ کے ایام میں آپؐ کی خدمت میں شرفیاب تھے ان کے لیے تو آپؐ کا اسوہ نگاہوں کے سامنے پیکر کامل کے طور پر موجود تھا۔ آنے والی نسلوں کے لیے آپؐ کی سیرت و اسوہ تک پہنچنے کا وسیلہ کیا ہے؟ یہ سوال سامنے آتا ہے تو بے ساختہ سب مسلمانوں کی زبان سے پہلا لفظ "قرآن" نکلتا ہے۔ اس کی تائید کیے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے کئی ایک بنیادی اسباب ہیں۔ آیئے ان پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔ محفوظ ترین دستاویز

مسلمانوں کے پاس سب سے اہم، اساسی، محفوظ ترین اور ہر جہت سے متفق علیہ دستاویز قرآن ہی ہے۔ تمام مسلمان اسے ایک غیر محرف آسمانی کتاب مانتے ہیں جیسا کہ خود قرآن حکیم نے فرمایا ہے:

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ"[٧]

بے شک ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۲۔ دیگر مآخذ پر قرآن کی فوقیت

تمام مسلمان محققین اس امر پر متفق ہیں کہ حدیث، تاریخ، تفسیر اور سیرت کے عنوان سے جتنی دستاویزات آج ہمارے پاس سرمائے اور اثاثے کے طور پر موجود ہیں تمام پر ناظر اور حکم قرآن ہے۔ بعض جمود زدہ افراد کی یہ رائے محققین نے قبول نہیں کی کہ حدیث قرآن پر ناظر ہے اور حدیث قرآن کے کسی حکم کو نسخ کر سکتی ہے۔ اصول فقہ کی بنیادی کتابوں میں علماء نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔[٨]

اس کی بنیادی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کا صدور من اللہ یقینی ہے۔ قرآن کی ہر آیت حد تواتر کی بھی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہے۔ حدیث کا صدور ظنی ہے اور ظن یقین پر غالب نہیں آسکتا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

"اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا"[9]

اس سلسلے میں آئمہ اہل بیتؑ سے بھی کئی ایک ایسی روایات منقول ہوئی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ اُن سے مروی روایات کو قرآن پر پیش کیا جائے، اگر وہ اس کے مطابق نہ ہوں تو انھیں دیوار پر دے مارا جائے۔ گویا ان کے نزدیک قرآن حدیث کی صحت کو پرکھنے کا معیار ہے۔ جب یہ بات احکامِ شریعت کے اخذ کرنے میں اصول کی حیثیت رکھتی

ہے اور محکم عقلی ونقلی دلائل کی بنا پر ایک برحق اصول ہے تو پھر دین کے تمام امور میں قرآن کے کسوٹی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

دیگر انبیاء کے بارے میں اسرائیلیات کو پرکھنے کے لیے بھی ہم قرآن ہی کو معیار قرار دیتے ہیں۔ بعض انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں جو بے سرو پا قصے اور افسوس ناک کہانیاں اسرائیلی روایات میں آ گئی ہیں عقلی دلائل کے علاوہ قرآن حکیم کی روشنی میں ہی ہم ان پر نقد کرتے ہیں۔ یہی اسلوب ہم آنحضرتؐ کی سیرت پاک کو جاننے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ ایسی تمام روایات جو آنحضرتؐ کی شخصیت، روش اور سیرت کے اُس تصور سے ٹکراتی ہیں جو قرآن حکیم نے پیش کیا ہے، ہم انھیں ہرگز قابل قبول نہیں سمجھتے۔

۳۔ قرآن اور آپؐ کا اسوۂ کامل

قرآن حکیم میں نبی کریمؐ کی زندگی کے مختلف پہلو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن حکیم اسلامی تعلیمات واحکام ہی کا سرچشمہ نہیں بلکہ یہ تعلیمات جو کامل نمونہ عمل تخلیق کرتی ہیں وہ بھی وادی قرآن میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔

مثال کے طور پر آپؐ کی زندگی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو قرآن حکیم میں دیکھا جا سکتا ہے:

(i) آنحضرتؐ کا ایمان باللہ، عبادت الٰہی میں آپؐ کا استغراق، اللہ کے حضور آپؐ کا احساس مسئولیت وغیرہ۔

(ii) آنحضرتؐ کی خانگی اور عائلی زندگی۔

(iii) مشرکین کے ساتھ آپؐ کی روش اور ان کے طرح طرح کے اصرار، مطالبات، سازشوں اور ستم رانیوں کے مقابلے میں آپؐ کی روش۔

(iv) مختلف طرح کے اہل کتاب کے ساتھ آپ کا برتاؤ۔

(v) جنگوں کے مختلف مراحل میں آپؐ کا کردار۔ فتح وشکست کی صورتوں میں آپؐ کا ردّعمل۔

(vi) ساتھیوں اور اصحابؓ کے ساتھ آپؐ کا طرز عمل۔ اُن سے مشاورت اور مختلف مراحل میں اُن کی تربیت اور اُن سے سلوک۔

(vii) منافقوں کے ساتھ آنحضرتؐ کا سلوک

(viii) آپؐ کی سچائی، امانت داری، حوصلہ مندی، اصحابؓ سے نرم خوئی وغیرہ۔

(ix) آپؐ کا اسلوب دعوت اور اس کے مختلف مرحلے۔

(x) انبیاء اور کتب ماسبق کے بارے میں آپؐ کا پیغام۔

اور اسی طرح ایک قائد، راہبر، ہادی، پیغمبر، پیغمبر خاتم اور انسان کامل کی حیثیت سے آپؐ کی زندگی کے مختلف گوشے قرآن میں محفوظ ہیں۔

۴۔ ہمہ گیر اور دائمی کردار، اصولوں کا سرچشمہ

قرآن حکیم بیشتر کلیات اور اصولوں کی حامل کتاب ہے بلکہ جہاں وہ کوئی واقعہ بیان کرتا ہے اس میں سے بھی وہ کسی اصول اور قانون اور سنت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا اور بہت سے مقامات پر وہ ایک قانون اور کلیے کے طور پر اس کا نتیجہ بیان کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسی دستاویز جسے تمام زمانوں، تمام علاقوں اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام مرحلوں میں راہنما اور ہادی اور گائیڈ لائن کا کردار ادا کرنا ہے اُسے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اسی طرح جس ہستی کو سرحدِ زمان و مکان کے اس پار ایک آفاقی، ہمہ گیر، جامع، کامل، کائناتی اور لازوال کردار و اسوہ کے طور پر فلک ہدایت پر سراج منیر بن کر جلوہ گر ہونا ہے اسے بھی بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس کی زندگی کو انسانی ہدایت کے اصولوں کا سرچشمہ ہونا چاہیے، ایسے اصول جو انسانی فکر و عمل کے ہر نئے موڑ پر راہ کشا اور راہ نما ہوں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کے مختلف شعبوں اور مرحلوں میں آنحضرتؐ کا قرآنی اسوہ انتہائی خوبصورت صراحت سے انہی آیات الٰہی میں جلوہ فگن ہوتا ہے۔

۵۔ آنحضرتؐ کا تابعِ وحی ہونا

قرآن حکیم میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ معجزہ طلب افراد سے فرماتے ہیں:

"اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ" [۱۰]

"میں تو صرف اس امر کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے"

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ" [۱۱]

"کہیے میں تو صرف اس امر کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میری طرف وحی ہوتا ہے"

آنحضرتؐ اپنے پیروکاروں سے بھی یہی تقاضا کرتے ہیں:

"اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ" [۱۲]

"جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اس کے علاوہ اولیا کی اتباع نہ کرو۔"

یہ آیات اس امر کی شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ کا کردار وحی الٰہی کے تقاضوں کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا لہٰذا آپؐ کے وجود ذی جود کو چلتا پھرتا قرآن یا قرآن ناطق کہا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں ہوگا۔ آپؐ قرآن کے سب سے پہلے

مومن اور احکام قرآن کے سب سے پہلے عامل تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ممتاز ترین سیرت نگاروں نے قرآن حکیم کو آنحضرتؐ کی سیرت نگاری اور اسوہ شناسی کے لیے اولین اور قابل اعتماد ترین ماخذ قرار دیا۔ چند آرا کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی رائے:

''حیاۃ محمد ﷺ'' کے مؤلف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اپنی کتاب کے مقدمے میں رقم طراز ہے:

مجھے یہ باریک نکتہ معلوم ہو چکا تھا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت کے سلسلہ میں اگر کوئی بہترین مرجع و ماخذ ہے تو وہ قرآن حکیم ہے کیونکہ آیات قرآنی میں آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ سے متعلق اشارات پائے جاتے ہیں اور کوئی محقق اگر چاہے تو حدیث و سیرت کی کتابوں کی مدد سے اس ضمن میں تسلی بخش تحقیق کر سکتا ہے۔ اس خیال سے میں نے ان تمام آیات کو جو آنحضرت صلعم کے حالات زندگی سے متعلق ہیں جمع کرنے کی ٹھانی۔[۱۳]

مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کا نظریہ :

ممتاز عالم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی کتاب کے اردو ترجمے پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

آنحضرتؐ کے حالات مبارکہ اور حضور علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ معلوم کرنے کا سب سے زیادہ یقینی، سب سے زیادہ مستند اور سب سے زیادہ صحیح ذریعہ قرآن کریم ہے کیونکہ یہ کتاب عظیم ہر تغیر سے پاک اور ہر تبدیلی سے مبرا ہے۔ ابتدائے نزول سے اب تک نہ اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو سکتی ہے۔ ایک حرف اور ایک لفظ بھی اس کا کسی عہد اور کسی دور میں نکالا یا بڑھایا نہیں گیا۔ جس طرح حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا ایک نقطے کی کمی بیشی کے بغیر آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور یقیناً ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔[۱۴]

سر ولیم میور کا نقطۂ نظر:

شیخ محمد اسماعیل نے اپنے اسی مقدمے میں ہندوستان میں انگریزی دور کے ایک سابق گورنر اور لائف آف محمدؐ کے مؤلف سر ولیم میور کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمد ﷺ کی سیرت و سوانح اور اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمدؐ کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور کو اس کے ذریعے

پوری صحت کے ساتھ جانچا جاسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں محمد ﷺ کے مذہبی خیالات ۔ محمد ﷺ کے پبلک افعال اور محمد ﷺ کی پرائیویٹ زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی سیرت اور اُس کا اندرونی کردار معلوم کرنے کے لیے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف طور پر نظر آجاتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی کہ ''محمد ﷺ کی تمام سیرت قرآن میں محفوظ ہے۔'' [۱۵]

ایک وضاحت:

ہماری مندرجہ بالا تمام گفتگو کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث، تاریخ اور سیرت کی تمام کتابیں لائق اعتنا نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ کتابیں آنحضرتؐ کی تاریخ حیات اور تعلیمات تک رسائی کے لیے بہت مددگار ہیں لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن حکیم اس سلسلے میں سب سے پہلا اور سب سے زیادہ بھروسے کے لائق مرجع و ماخذ ہے اور دیگر تمام متون بلکہ افکار پر بھی ناظر اور حَکَم کے مرتبے پر فائز ہے۔ قرآن کی اس حیثیت اور مقام کو نظر انداز کر کے لکھی گئی کتابوں نے جو گل کھلائے ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کتابیں ہیں جو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں ان کے مقاصدِ شوم کے لیے دستاویز بن گئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

حواشی

۱۔ پروفیسرڈاکٹرعبدالجبارشاکرمرحوم(سابق ڈائریکٹرجنرل الدعوہ اکادمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد)اپنے دور کے ممتاز ترین کتاب شناسوں میں شمار ہوتے ہیں۔

وہ پروفیسرڈاکٹرعبدالرؤف ظفر''اسوۂ کامل'' کے حرفِ اول میں لکھتے ہیں:

ان مراجع اور مصادر سے کام لیتے ہوئے مختلف سیرت نگاروں نے مغازی،سِیَر،شمائل،دلائل، معارج، مدارج، خصائص،مولودناموں،معراج ناموں،حلیہ ناموں،نورناموں، جنگ ناموں،وفات ناموں،دردناموں اور موضوعاتی سیرت پرنظم ونثر میں جوکتب ورسائل لکھے ہیں وہ ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا کی سو سے زائد زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں مخطوطات اورمطبوعات کی شکل میں موجود ہیں۔

ظفر،عبدالرؤف،ڈاکٹر:اسوۂ کامل(لاہور،نشریات،۲۰۰۹)ص ۲۸

۲۔ القرآن،الشرح:۴

۳۔ القرآن،السبا:۲۸

۴۔ القرآن،الانبیا:۱۰۷

۵۔ القرآن،الفرقان:۱

۶۔ القرآن،الاحزاب:۲۱

۷۔ القرآن،الحجر:۹

۸۔ مرحوم شیخ مظفرنے اپنی معروف کتاب **اصول الفقه** میں **حجیت ظواهر الکتاب** کی بحث میں بعض اخباریوں کے اس قول کومسترد کردیا ہے کہ جب تک ائمہ اہل بیت÷ سے کوئی حدیث وارد نہ ہوظواہر کتاب پرعمل کرنا جائزنہیں۔اپنی بحث وہ اس جملے پرختم کرتے ہیں:

كيف وقدورد عنهم عليهم السلام ارجاع الناس الى القرآن الكريم .

ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جب اُن (اہل بیت ÷) کی طرف سے خود لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں یہ ساری بحث صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۱ پر موجود ہے۔

۹۔ القرآن، یونس:۳۶

۱۰۔ القرآن، الانعام:۵۰

۱۱۔ القرآن، الاعراف:۲۰۳

۱۲۔ القرآن، الاعراف:۳

۱۳۔ ہیکل، محمد حسین ڈاکٹر، مترجم مولانا محمد وارث کامل مرحوم، (لاہور، مکتبہ کاروان، ۱۹۷۱) ص ۲۹

۱۴۔ ہیکل، محمد حسین ڈاکٹر، مترجم مولانا محمد وارث کامل مرحوم، (لاہور، مکتبہ کاروان، ۱۹۷۱) ص ۲ (مقدمہ)

۱۵۔ ہیکل، محمد حسین ڈاکٹر، مترجم مولانا محمد وارث کامل مرحوم، (لاہور، مکتبہ کاروان، ۱۹۷۱) ص ۴ (مقدمہ)

رسول اکرم ﷺ نہج البلاغہ کی روشنی میں

سید حسنین عباس گردیزی☆

رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ:

معاشرے کو قابل عمل نمونے (آئیڈیل) کی ضرورت ہوتی ہے جس کی پہچان لازمی ہے ۔قرآن مجید اسلامی معاشرے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو اعلیٰ ترین نمونہ (اسوہ) قرار دیتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

''لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' [1]

''تمہارے لیے بہترین نمونہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے۔''

لہذا انتہائی ضروری ہے کہ معاشرے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات کے مختلف پہلوؤں کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے اور اُسے معاشرے کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ معاشرہ ان سے الہام لیتے ہوئے ترقی اور سعادت کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔

امیر المومنین علی - نے اسی بات پر زور دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

'وَلَقد کان فِی رَسُولِ اللّٰہِ (صلّی اللہ علیہ و آلہ) کافٍ لَکَ فِی الْاُسْوَۃِ وَدَلِیلٌ لَکَ عَلٰی ذَمِّ الدُّنیا وعَیبِهَا و کَثْرَۃِ مَخازِیهَا ، ومَسَاوِیهَا،اِذ قُبِضَتْ عَنْهُ اَطْرَ فُهَا وَوُطِّئَتْ لِغَیْرِہ اَکْنَا فُهَا وَفُطِمَ عَنْ رَضا عِهَا وَزُوِیَ عَنْ زخارِ فِهَا '' [2]

''یقیناً رسول اکرم ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے آپ کی ذات دنیا کے عیوب اور اس کی ذلت و رسوائیوں کی کثرت کو دکھانے کے لیے راہنما ہے اس لیے کہ آپ سے دنیا کے دامنوں کو سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لیے اس کی وُسعتیں ہموار کر دی گئیں آپ کو اس کے منافع سے الگ رکھا گیا اور اس کی آرائشوں سے کنارہ کش کر دیا گیا۔''

اسی خطبے میں آپ کے اُسوہ ہونے اور اس کی پیروی کرنے کی ضرورت پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ چیئر مین نور الہدیٰ ٹرسٹ، پرنسپل جامعۃ الرضا، بہارہ کہو، اسلام آباد

’’فَتَأَسَّ بِنَبِيِّكَ الْاَ طْيَبِ الاَ طْهَرِ صلی الله علیه و آله فَاِنَّ فِيهِ اُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّى ، وعَزَآءً لِمَنْ تَعَزَّىٰ وَاَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَى اللّٰهِ الْمُتَأَسِّيْ بِنَبِيِّهٖ، وَالْمُقْتَصُّ لِاَ ثَرِهٖ،قَضَمَ الدُّنيا قَضْماً وَلَمْ يُعِرْهَا طَرْفاً اَهْضَمَ اَهْلَ الدُّنيا كَشْحاً وَاَخْمَصَهُمْ مِنَ الدُّنيا بَطْناً عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنيا فَاَبَى اَنْ يَقْبَلَهَا ، وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ اَبْغَضَ شَيْئاًفَاَبْغَضَهُ وحَقَّرَ شيئاً فَحَقَّرَهُ ،وصَغَّرَ شَيئاً فَصَغَّرَهُ .وَلَو لَمْ يَكُنْ فِيْنَا اِلَّا حُبُّنَا ما اَبْغَضَ اللّٰهُ وَرَسُولُه ،وتعظيماً ما صَغَّرَ اللّٰهُ ورَسُولُه لَكَفٰى بِهٖ شِقَاقًا لِلّٰهِ وَمُحَادَّةً عَنْ اَمْرِاللّٰهِ ‘‘[۳]

’’تم لوگ اپنے طیب وطاہر پیغمبر کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والوں کے لیے بہترین نمونہ اور صبر وسکون کے طلب گاروں کے لیے بہترین سامان صبر وسکون ہے،اللہ کی نظر میں محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اس کے رسول کی پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر قدم آگے بڑھائے ۔انہوں نے دنیا سے صرف مختصر غذا حاصل کی اور اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں ساری دنیا میں سب سے زیادہ خالی شکم پیٹ رہنے والے اور شکم تہی میں بسر کرنے والے تھے۔ان کے سامنے دنیا کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے اُسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور جب جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو پسند نہیں کیا تو آپ نے بھی اُسے ناپسند کیا ہے اور اللہ نے ایک چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ نے بھی اُسے حقیر ہی سمجھا ہے اور اللہ نے ایک چیز کو پست قرار دیا ہے تو آپ نے بھی اُسے پست قرار دیا ہے اور اگر ہم میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہ ہوتا کہ ہم خدا اور رسولؐ کے مبغوض کو محبوب سمجھنے لگے ہیں اور خدا اور رسولؐ کی نگاہ میں چھوٹے اور حقیر کو عظیم اور بڑا سمجھنے لگیں تو اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کے لیے یہی عیب کافی ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی نبوت وعدہ الٰہی:

اللہ تعالیٰ نے آنخضرت ﷺ کی نبوت کا وعدہ دیا تھا اور گزشتہ انبیاء کی زبانی آپؐ کی خبر دی تھی پس اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اُسے تکمیل کیا جس کی خبر پہلے دی تھی۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور لوگوں کو آپؐ کے بارے میں بشارت دیں اور جب آپ کو پائیں تو پیروی کریں قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں جو انبیاء کے میثاق کی بات کی ہے وہ اسی طرف اشارہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ''[۴]

''اور اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر آئندہ رسول تمہارے پاس آئے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو تمہیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنا ہوگی۔ پھر اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے عہد کی ذمہ داری لیتے ہو انہوں نے کہا ہاں! ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: پس تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

امیر المومنین نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

''اِلٰی اَنْ بَعَثَ اللّٰهُ سبحانه محمّدًا رسولَ اللّٰهِ صلّیٰ الله علیه وآله وسلم لِاَ نجاز عِدَتِهٖ واتْمام نبُوّتِهٖ مأ خوذاً عَلَی النبِیّن میثاقُه مَشْهُورةً سِماتُهٗ کریمًا مِیْلادُهٗ ''

''یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد اور اتمام نبوت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا۔ جن کی علامتیں مشہور اور ولادت مسعود و مبارک تھی۔''

اسی مطلب کو امیر المومنین علی -نے ایک اور مقام پر واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سے پہلے آنے والے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہمارے نبی کے مبعوث ہونے کی خبر اور ان کے فضائل اپنی اپنی امتوں کو بیان کریں اور انہیں ان کے آنے کی بشارت اور تصدیق کرنے کا حکم دیں۔[۵]

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں کی سیاسی اور معاشرتی حالت:

امیر المومنین علی -خطبہ نمبر ا میں فرماتے ہیں:

''وَاَهلُ الْاَرْضِ يَوْ مَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَاَهْوَ آءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَطَرَ آئِقُ مُتَشَتِّتَةٌ بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهٖ اَوْ مُلْحِدٍ فِى اسْمِهٖ اَوْ مُشِيْرٍ اِلٰى غَيْرِهٖ فَهَدَاهم بِهٖ مِنَ الضَّلالَةِ وَاَنْقَذَهُمْ بِمَكانِهٖ مِنَ الجَهالَةِ''[۶]

''اس وقت اہل زمین متفرق مذاہب، منتشر خواہشات اور الگ الگ راستوں پر گامزن تھے۔ اس طرح سے کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے

کچھ اُسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔پس خداوند عالم نے آپؐ کے ذریعہ سب کو گمراہی سے ہدایت دی اور آپ کے وجود سے جہالت سے باہر نکالا۔''

خطبہ نمبر۲ میں انہوں نے عربوں کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں:

''وَالنّاسُ فِی فِتَنٍ انْجذَمَ فیْها حَبْلُ الدِّین وتَزَعْزَعَتْ سَوارِی الیَقِیْن وَاخْتَلَفَ النَّجْرُ وتَشَتَّتَ الاَمْرُ وضاقَ المَخْرَجُ وعَمِیَ المَصْدَرُ فالْهُدٰی خامِلٌ وَالْعَمَیٰ شامِلٌ عُصِیَ الرَّحْمنُ ونُصِرَ الشَّیْطانُ وخُذِلَ الاِیْمانُ فَانْهارَتْ دَعائِمُهُ،وتَنَکَّرَتْ مَعالِمُهُ ودَرَسَتْ سُبُلُهُ وعَفَتْ شُرُکُهُ اَطاعُوا الشَّیْطانَ فَسَلَکُوا مَسالِکَهُ ووَرَدُوا مَنا هِلَهُ ،بِهِمْ سَارَتْ اَعْلامُهُ وَقَامَ یو اؤُهُ فی فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِاَخْفَا فِهَا ،وَوَطِئَتْهُمْ بِاَظْلَافِهَا ،وقَامَتْ عَلیٰ سَنا بِکِها فَهُمْ فِیْهَا تَائِهُونَ حائِرُوْنَ جاهِلُونَ مَفْتُونُونَ فِی خَیْرِ دارٍ ،وشَرِّ جیْرانٍ ،نُومُهُمْ سُهُودٌ وکُحْلُهُمْ دُمُوعٌ بارْضٍ عَالِمُهَا مُلْجَمٌ وجا هِلُها مُکْرَمٌ ''۔[۷]

''یہ بعثت اس وقت ہوئی جب لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جن سے ریسمان دین ٹوٹ چکی تھی ،یقین کے ستون متزلزل ہو گئے،اصول میں شدید اختلاف تھا اور امور میں سخت انتشار،مشکلات سے نکلنے کے راستے تنگ وتاریک ہو گئے تھے،ہدایت گمنام تھی اور گمراہی برسرعام،رحمٰن کی نافرمانی ہو رہی تھی اور شیطان کی نصرت،ایمان یکسر نظر انداز ہو گیا تھا،اس کے ستون گر گئے تھے اور آثار ناقابل شناخت ہو گئے تھے،راستے مٹ گئے تھے اور شاہرائیں بے نشان ہو گئی تھیں لوگ شیطان کی اطاعت میں اسی کے راستے پر چل رہے تھے اور اسی کے چشموں پر وارد ہو رہے تھے انہیں کی وجہ سے شیطان کے پرچم لہرا رہے تھے اور اس کے علَم سربلند تھے،یہ لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جنہوں نے انہیں پیروں تلے روند دیا تھا اور سُموں سے کچل دیا تھا اور خود اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تھے۔یہ لوگ فتنوں میں حیران وسرگرداں اور جاہل وفریب خوردہ تھے ایک ایسے گھر (مکہ) میں یہ لوگ تھے جو خود اچھا مگر اس کے بسنے والے بُرے تھے، جہاں نیند کی بجائے بیداری اور سُرمے کی جگہ آنسو تھے،اس سرزمین پر عالم کے منہ میں لگام تھی اور جاہل معزز وسرفراز تھا۔''

حضرت علی -مزید ان کے حالات ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں۔

''بَعَثَهُ وَالنَّاسُ ضُلَّالٌ فِی حَیْرَةٍ وحاطِبُونَ فِی فِتْنَةٍ ،قَدْ اسْتَهْوَتْهُمُ الْاَهْوَاءُ

واسْتَزَلَّتهُمُ الْكِبْرِياءُ ، واسْتَخَفَّتْهُمُ الْجَاهِلِيَّةُ الجَهْلَاءُ حَيَارىٰ فِي زِلْزَالٍ
مِنَ الْآ مْرِ وَبَلاَءٍ مِنَ الجَهْلِ و مَبَالَغَ صلى الله عليه وآله فِي النَّصِيحَةِ
ومَضَى عَلَى الطَّرِيْقَةِ، وَدَعَا اِلَى الحِكْمَةِ والمَوْعِظَةِ الحَسَنَةِ "[۸]

''اللہ سبحانہ نے آپ ﷺ کو اس وقت بھیجا جب لوگ گمراہی میں سرگرداں تھے فتنوں میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، خواہشات نے انہیں بہکا دیا تھا اور غرور نے ان کے قدموں میں لغزش پیدا کر دی تھی، جاہلیت نے انہیں سبک سر بنا دیا تھا اور وہ غیر یقینی حالات اور جہالت کی بلاؤں میں حیران وسرگرداں تھے۔ آپؐ نے نصیحت کا حق ادا کر دیا، سیدھے راستے پر چلے اور لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کی طرف دعوت دی۔''

امیر المومنین علی -نے اپنے دیگر خطبات میں بھی ان کے حالات کی تصویر کشی کی ہے۔[۹]
آپ نے ایک اور مقام پر جاہلیت عرب کی وضاحت فرمائی ہے۔

''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد ﷺ کو عالمین کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرنے والا اور اپنی وحی کا امین، بنا کر بھیجا ہے۔ اے گروہ عرب! اُس وقت تم بدترین دین پر اور بد ترین گھروں میں تھے، کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بود وباش رکھتے تھے تم گدلا پانی پیتے تھے اور غلیظ غذا استعمال کرتے تھے ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور قرابتداروں سے قطع تعلق کرتے تھے، بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔''[۱۰]

یہ جملے جناب امیر -نے عربوں کی تحقیر کرنے کے لیے نہیں فرمائے تھے بلکہ آپ نے چاہا کہ عظیم نعمتیں انہیں یاد دلائیں بالخصوص عربوں کے لیے عظیم ترین افتخار رسول اکرمؐ کا ان کے درمیان مبعوث ہونا، انہیں یاد دلائیں یہ وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کو ان کے درمیان بھیجا جن کی وجہ سے جہالت اور گمراہی کا اندھیرا چھٹ گیا اور ہر طرف آپ کے نور سے اجالا چھا گیا اور عرب دنیا تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد:

امیر المومنین علی -نے اپنے مختلف بیانات میں آنحضرتؐ کی بعثت کے مقاصد یوں بیان فرمائے ہیں۔

۱۔حق کی طرف دعوت دینا:

''اَرْسَلَهُ دَاعِياً اِلَى الحَقِّ وَشَاهِدًا عَلَى الخَلْقِ ''[۱۱]

''اللہ نے پیغمبر اکرم ﷺ کو اسلام اور حق کی طرف دعوت دینے والا اور مخلوقات کے اعمال کا گواہ بنا کر بھیجا''

۲۔لوگوں کوعذاب الٰہی سے متنبہ اورڈرانے کے لیے:

’’اِنَّ اللّٰہ بَعَثَ مُحَمَّدًاصلّیٰ اللّٰہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نَذِیْرً لِّلعٰالَمِیْنَ وَامِینًا عَلَی التَّنْزِیلِ ‘‘[۱۲]

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کوتمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا اوراپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا‘‘

۳۔بت پرستی اوراطاعت شیطان کی ذلتوں سے نکالنا:

’’فَبَعَثَ اللّٰہُ محمّداً ،صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ بِالحقِّ لِیُخْرِجَ عِبَادَہُ الاَوْثَانِ اِلٰی عبادَۃ ،وَمَنْ طَاعَۃِ الشَّیْطَانِ اِلیٰ طاعَتِہٖ ،بِقُرآنٍ قَدْ بَیَّنَہُ وَاَحْکَمَہُ لِیَعْلَمَ العِبَادُ رَبَّھُمْ اِذجَھِلُوہُ ، وَلِیُقِرُّوا بِہٖ اذجَحَدُوہُ ولِیُثْبِتُوہُ بَعْدَ اِذْاَنکَرُوہ‘‘[۱۳]

’’پروردگار نے حضرت محمد ﷺ کوحق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ آپ لوگوں کوبت پرستی سے نکال کرعبادت الٰہی کی منزل کی طرف لے آئیں اورشیطان کی اطاعت سے نکال کر رحمٰن کی اطاعت کرائیں اس قرآن کے ذریعہ جسے اُس نے واضح اورمحکم قراردیاہے تاکہ بندے اپنے رب سے جاہل وبےخبر رہنے کے بعداُسے پہچان لیں،ہٹ دھرمی اورانکار کے بعداس کے وجودکایقین اوراقرارکریں۔۔ ‘‘

۴۔اللہ تعالیٰ کاپیغام پہنچانا:

’’ثُمَّ اِنَّ اللّٰہ سبحانہ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلّی اللہ علیہ و آلہ بالحَقِّ حین دَنَا من الدُّنیا الْا نْقِطَاعُ ، وَاَقْبَلَ الآ خِرَۃِ الِا طِّلاَعُ.....جَعَلَہُ اللّٰہُ بَلاغاً لِرِسَالَتِہٖ ،وَکَرَامَۃً لِاُمَّتِہٖ ، وَ رَبِیْعاًلِاَھْلِ زَمانِہٖ ورِفْعَۃً لِاَ عْوَانِہٖ وَشَرَفاً لِاَ نْصارِہٖ ‘‘[۱۴]

’’اس کے بعداللہ سبحانہ نے حضرت محمدؐکوحق کے ساتھ مبعوث فرمایاجب دنیافنا کی منزل کےقریب ترہوگئی اورآخرت سرپرمنڈلانے لگی۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغام رسانی کاوسیلہ،امت کی کرامت،اہل زمانہ کی بہار،اعوان وانصارکی بلندی کاذریعہ اوران کا یارومددگارافرادکی شرکت کاواسطہ قراردیا‘‘

دوران رسالت،رسول اللہ ﷺ کی جانفشانی اورجدوجہد:

رسول خدا ﷺ نے اپنی بعثت کے اہداف کوکس طرح حاصل کیااورالٰہی اہداف کوکیسے پایہ تکمیل تک پہنچایا،اس بارے میں حضرت امیرالمومنین - فرماتے ہیں:

''اَرْسَلَهُ داعِیاً اِلَی الحَقِّ وشَاهِدًا عَلَی الْخَلْقِ مَبَلَّغَ رِسَالا تِ رَبِّهٖ غَیْرَ وَانٍ ولا مُقَصِّرٍ وَجَاهَدَ فِی اللّٰهِ اَعْدَاءَ هُ غَیْرَ وَاهِنٍ ولا مُعَذِّرٍ اِمَامُ مَنِ اتَّقیٰ وَبَصَرُ مَنِ اهْتَدیٰ''[15]

''اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کوحق کی طرف بلانے والا،اور مخلوقات کے اعمال کا گواہ بنا کر بھیجا تو آپؐ نے پیغام الٰہی کومکمل طور پر پہنچا دیا نہ اس میں کوئی سستی کی نہ کوتاہی،اور اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اس میں نہ کوئی کمزوری دکھائی اور نہ کسی حیلہ اور بہانہ کا سہارا لیا،آپؐ متقین کے امام اور طالبان ہدایت کے لیے آنکھوں کی بصارت تھے۔''

حضور ﷺ کی جدوجہد کے متعلق فرماتے ہیں:

''اَرْسَلَهُ بِوُجُوبِ الحُجَجِ، وظُهُورِ الفَلَجِ،وَاِیْضَاحِ المَنْهَجِ،فَبَلَّغَ الرِّسالَةَ صَادِعاً بِهَا وحَمَلَ عَلَی المَحَجَّةِ دَالّا عَلَیْهَا وَاَقَامَ اَعْلَامَ الِا هْتِدَاءِ ومَنَارَ الضِّیَاءِ ، وَجعَلَ اَمْرَاسَ الِاسْلَامِ مَتِینَةً وَعُرَیٰ الایْمانِ وَثِیقَةً''[16]

''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نا قابل انکار دلیلوں،واضح کامرانیوں اور راہ (شریعت) کی راہنمائیوں کے ساتھ بھیجا آپ نے اس کے پیغام کو واشگاف انداز میں پیش کر دیا اور لوگوں کوسیدھے راستے کی راہنمائی کر دی۔ہدایت کے نشان قائم کر دیے اور روشنی کے منارے استوار کر دیے اسلام کی رسیوں کو مضبوط بنا دیا اور ایمان کے بندھنوں کو مستحکم کر دیا۔

آنحضرتؐ کا خاندان اوران کا مقام ومرتبہ:

خطبہ۱۶۱میں بیان کرتے ہیں:

'' اِبْتَعَثَهُ بِالنُّورِ المُضِیءِ ،والبُرْهَانِ الجَلِیِّ وَالمِنْهَاجِ البَادِی ،والکِتَابِ الهَادِیْ، اُسْرَتُهُ خَیْرُ اُسْرَةٍ وَشَجَرَتَهُ خَیْرُ شَجَرَةٍ ،اغضا نُهَا مُعْتَدِ لَةٌ ،وَثِمَارُ ها مُتَهَدِّ لَةٌ ''[17]

''پروردگار نے آنحضرتؐ کو روشن نور(واضح دلیل)نمایاں راستہ اور ہدایت کرنے والی کتاب کے ساتھ بھیجا،آپؐ کا خاندان،بہترین خاندان اور آپؐ کا شجرہ بہترین شجرہ ہے، جس کی شاخیں معتدل ہیں اور ثمرات دسترس کے اندر ہیں۔''

خطبہ۱۰۶میں بیان فرمایا ہے:

''اِخْتَارَهُ مِنْ شَجَرَةِ الْاَ نْبِيَاءِ مِشْكَاةِ الضِّيَاءِ وَذُوَابَةِ الْعَلْيَاءِ وَسُرَّةِ الْبَطْحاءِ ومَصَابِيحِ الظُّلْمَةِ، ويَنَا بِيعِ الحِكْمَةِ''[۱۸]

''رسول خدا ﷺ کواس نے انبیاء کے شجرہ، روشنی کے مرکز (آل ابراہیم) بلندی کی جبیں (قریش) بطحاء کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سر چشموں سے منتخب کیا۔''

خطبہ۹۲ میں بیان کرتے ہیں:

''انبیاء کرام کو پروردگار نے بہترین مقامات پر ودیعت رکھا اور بہترین منزل میں ٹھہرایا، وہ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے، جب ان میں سے کوئی گزرنے والا گزر گیا تو دین خدا کی ذمہ داری بعد والے نے سنبھال لی یہاں تک کہ یہ الٰہی شرف حضرت محمد ﷺ تک پہنچا اس نے انہیں بہترین نشوونما والے معدنوں اور ایسی اصلوں سے جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہت باوقار تھیں، پیدا کیا اس شجرہ سے جس سے بہت سے انبیاء پیدا کیے اور اپنے امین منتخب فرمائے، پیغمبرؐ کی عترت، بہترین عترت اور ان کا خاندان شریف ترین خاندان ہے، ان کا شجرہ وہ بہترین شجرہ ہے جو سر زمین حرم پراُگا ہے اور بزرگی کے سایہ میں پروان چڑھا ہے، اس کی شاخیں بہت طویل ہیں اور اس کے پھل انسانی دسترس سے بالاتر ہیں۔''[۱۹]

توصیف وتعریف:

''حضرت رسول خدا ﷺ کے حقیقی اوصاف اور آپکی سچی تعریف اور دقیق ہے کہ انسان اس کی سحر انگیزی اور معنی کی گہرائی میں ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے، چنانچہ امیرالمومنین -خطبہ نمبر۱۰۵ میں آنحضرتؐ کی یوں تعریف کرتے ہیں۔''

''حَتَّى بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه و آله، شهيداً وبَشِيراً، ونَذِيراً، خَيرَ البَرِّيةِ طِفلاً، وانْجَبَهَا كَهْلاً، وَاَطْهَرَ الْمُطَهَّرِيْنَ شِيْمَةً، وَاَجْوَدَ الْمُسْتَمطَرِيْنَ دِيمَةً''[۲۰]

''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو امت کے اعمال کا گواہ، ثواب کی بشارت دینے والا، اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، جو بچپن میں بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی اشرف کائنات تھے، عادات کے اعتبار سے تمام پاکیزہ افراد سے زیادہ پاکیزہ اور باران رحمت کے اعتبار سے ہر سحاب رحمت سے زیادہ کریم وجواد تھے''

ایک اور مقام پر آپؐ کی مدح یوں کرتے ہیں:

''فَهُوَ اِمامُ مَنِ اتَّقٰی، وبَصیرَۃُ مَنِ اهتَدیٰ، سراجٌ لَمَعَ ضَوءُہُ، وَشِهابٌ سَطَعَ نُورُہُ و زَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُہُ، سِیرَتُہُ الْقَصْدُ، وسُنَّتُہُ الرُّشْدُو کَلامُہُ الْفَصْلُ، وحُکْمُہُ الْعَدْلُ، اَرسَلَہُ عَلیٰ حِینَ فَتْرَۃٍ مِنَ الرُّسُلِ وَهَفْوَۃٍ عَنِ العَمَلِ، غَبَاوَۃٍ مِنَ الْاُمَمِ''[۲۱]

''آپؐ اہل تقویٰ کے امام اور طالبان ہدایت کے لیے سرچشمہ بصیرت ہیں، آپ ایسا چراغ ہیں جس کی روشنی لَو دے رہی ہے اور ایسا ستارہ جس کا نور درخشاں ہے اور ایسا چقماق ہیں جس کی چمک شعلہ فشاں ہے، ان کی سیرت میانہ روی، سنت رشد وہدایت، ان کا کلام حرف آخر اور ان کا فیصلہ عادلانہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس وقت بھیجا جب انبیاءؑ کا سلسلہ موقوف تھا اور بدعملی کا دور دورہ تھا، اور امتوں پر غفلت چھائی ہوئی تھی۔''

ایک اور مقام میں بیان فرمایا:

''بزرگی اور شرافت کے معدنوں اور پاکیزگی کی جگہوں میں آپؐ کا مقام بہترین مقام اور آپ کی نشو ونما کی جگہ بہترین منزل ہے، نیک کرداروں کے دل آپؐ کی طرف جھکا دیئے گئے اور نگاہوں کے رخ آپؐ کی طرف موڑ دیے گئے، اللہ نے آپؐ کے ذریعہ کینوں کو دفن کر دیا اور عداوتوں کے شعلے بجھا دیئے، لوگوں کو بھائی بھائی بنا دیا اور کفر کی برادری کو منتشر کر دیا اہل ذلت کو باعزت بنا دیا، اور کفر کی عزت پر اکڑنے والوں کو ذلیل کر دیا، آپ کا کلام شریعت کا بیان اور آپ کی خاموشی احکام کی زبان''[۲۲]

رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق:

رسول اکرم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ''[۲۳]

''بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں''

خود آپؐ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے، آپ کا فرمان ہے:

''اِنَّما بعثت لاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخلَاقِ''[۲۴]

یہ اخلاق کی اہمیت اور عظمت کی دلیل ہے اسی طرح آپ انہی اعلیٰ اخلاق وصفات کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں، نہج البلاغہ میں جو آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ ہے انہیں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

زہد و پارسائی:

حضرت علی-فرماتے ہیں:

''قَدْ حَقَّرَ الدُّنيَا وَصَغَّرَ هَا وَأَهْوَنَ بِهَا وَهَوَّنَهَا ،وَعَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ زَوَاهَا عَنْهُ اَخْتِيَاراً،وَبَسَطَهَا لِغَيْرِهِ احْتِقَاراً،فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ،وَأَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَفْسِهِ ،وَأَحَبَّ أَن تَغِيبَ زِينَتُهَاعَنْ عَيْنِهِ، لِكَيْلَا يَتَّخِذَمِنْهَا رِيَاشاً ،أَو يَرْجُوَ فِيهَا مَقَاماً ،بَلَّغَ عَنْ رَبِّهِ مُعْذِراً،وَنَصَحَ لِأُ مَّتِهِ مُنْذِراً،وَدَعَا اِلَى اَلْجَنَّةِ مُبَشِّراً، وَخَوَّفَ مِنَ النَّارِ مُحَذِّراً ''[۲۵]

''آپؐ نے اس دنیا کو ذلیل وخوار سمجھا اور پست وحقیر جانا اور یہ جانتے تھے اللہ نے آپ کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے اوراس دنیا کوآپ سے الگ رکھا ہےاور گھٹیا سمجھتے ہو ئے دوسروں کے لیےاس کا دامن پھیلا دیا ہے لہذا آپ نے دنیا سے دل سے کنارہ کشی اختیار کر لی اوراس کی یادکودل سے بالکل نکال دیا اور یہ چاہا کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے اوجھل رہے کہ نہ اس سے عمدہ لباس زیب تن فرمائیں اور کسی نہ خاص مقام کی امید کریں،آپ نے پروردگار کے پیغام کو پہنچانے میں سارے عذر اور بہانے برطرف کر دیئے اور امت کوعذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے نصیحت فرمائی جنت کی بشارت سنا کراس کی طرف دعوت دی اورجہنم سے بچنے کی تلقین کر کےخوف پیدا کرایا''

اس بارے میں آنحضرتؐ کی سیرت کو بیان کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں

''وَلَقَدْكَانَ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ،يَأ كُلُ عَلَىٰ اْلَا رضِ ،وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ اَلْعَبْدِ ،وَيَخْصِفُ بِيَدِهِ نَعْلَهُ ،وَيَرْقَعُ بِيَدِهِ ثَوْبَهُ،ويَرْكَبُ اَلْحِمَارَ اَلْعَارِىَ وَيُرْدِفُ خَلْفَهُ وَيَكُونُ السَّتْرُ عَلَىٰ بَابِ بَيْتِهِ فَتَكُونُ فِيهِ التَّصَاوِيرُ ،فَيَقُولُ : (يَا فُلَانَةُ لِاحْدَىٰ أَزْوَاجِهِ غَيِّبِيهِ عَنِّى ،فَانِّي اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْهِ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا وَزَخَارِفَهَا)فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ،وَأَمَاتَ ذِكْرَهَا مِنْ نَفْسِهِ ،وَأَحَبَّ أَنْ تَغِيبَ زِينَتُهَا عَنِ عَيْنِهِ ،لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشاً ،وَلَا يَعْتَقِدَهَا قَرَاراً،وَلَايَرْجُوَ فِيهَا مُقَاماً ،فَأَخْرَجَهَا مِنَ النَّفْسِ ، وَأَشْخَصَهَا عَنِ اَلْقَلْبِ،وَغَيَّبَهَاعَنِ اَلْبَصَرِ وَكَذٰلِكَ مَنْ أَبْغَضَ شَيْأً أَبْغَضَ أَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ ،وَأَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ ''[۲۶]

''رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ کرکھانا کھاتے تھےاور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھےاوراپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوندلگاتے تھےاور بے پالان گدھے پرسوار ہوتے تھے اوراپنے پیچھے کسی کو بیٹھا بھی لیتے تھے،گھر کے دروازے پر ایک دفعہ ایسا پردہ پڑا تھا جس میں تصویریں تھیں تو آپ نے اپنی ایک زوجہ سے فرمایا کہ

اسے میری نظروں سے ہٹا دو، جب میری نظریں اس پر پڑتی ہیں تو مجھے دنیا اور اس کی آرائشیں یاد آ جاتی ہیں، آپ نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے نفس سے مٹا ڈالی تھی اور یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج و دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تا کہ ان سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اُسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اُس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں، انہوں نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا تھا اور دل سے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اُسے اوجھل رکھا تھا یونہی جو شخص کسی شے کو بُرا سمجھتا ہے تو اُسے نہ دیکھنا چاہتا ہے اور نہ اس کا ذکر سننا گوارا کرتا ہے''

حسن سلوک اور مہربانی:

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کی بہترین اخلاقی خصوصیت حسن سلوک اور مہربانی و عطوفت بیان کرتا ہے، آپؐ نے اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر بہت سے دلوں کو اپنی طرف جذب کیا اور انہیں ہدایت کے چشمہ سے سیراب کیا، ارشاد ہوتا ہے۔

''فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ''[۲۷]

''پس آپ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے لیے نرم خو اور مہربان ہیں اگر آپ سخت اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے اردگرد سے دُور ہو جاتے''

حضرت علی -آنحضرتؐ کی اسی خصوصیت کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

''وَاَطۡهَرَ الۡمُطَهَّرِينَ شِيمَةً، وَاَجۡوَدَ الۡمُسۡتَمۡطَرِينَ دِيمَةً''[۲۸]

''عادات کے اعتبار سے آپؐ تمام پاکیزہ افراد سے پاکیزہ اور باران رحمت کے اعتبار سے ہر سحاب رحمت سے زیادہ کریم و جواد تھے۔''

لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی:

قران مجید نے اپنی دو آیتوں میں رسول خدا ﷺ کی اس صفت کے بارے میں بیان فرمایا:

''لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ''[۲۹]

''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا''[۳۰]

حضرت علی -نہج البلاغہ میں ذکر کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت بھیجا جب لوگ گمراہی وضلالت میں حیران و سرگردان تھے اور فتنوں میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، نفسانی خواہشات نے انہیں بہکا دیا تھا اور غرور نے ان کے

قدموں میں لغزش پیدا کر دی تھی اور بھر پور جاہلیت نے ان کی مت مار دی تھے اور وہ غیر یقینی حالات اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے“

”فَبَالَغَ صلی اللهُ عیله و آله وسلّم فِی النَّصِیْحَةِ ومَضٰی عَلَی الطَّرِیْقَةِ ، وَدَعَا اِلَی الحِکْمَةِ و المَوْعِظَةِ الحَسَنَةِ“[۳۱]

”چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے نصیحت اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، سیدھے راستے پر چلے اور لوگوں کو حکمت و دانائی اور اچھی نصیحتوں کی طرف دعوت دیتے رہے“

آنحضرتؐ ایسے طبیب تھے جو خود بیماروں کے پاس چل کر جاتے تھے اور ان کا روحانی معالجہ کرتے تھے اس بارے میں امیر المومنین- نے فرمایا:

”طبیبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ قَدْ اَحْکَمَ مَرَاهِمَهُ ،وَاَحْمَیٰ مَوَاسِمَهُ یَضَعُ ذٰلِکَ حَیْثُ الحَاجَةُ اِلَیْهِ ، مِنْ قُلُوبٍ عُمْیٍ ،وَآذانٍ صُمٍّ،وَاَلْسِنَةٍ بُکْمٍ مُتتبعٌ بِدَوَائِهِ مَوَاضِعَ الغَفْلَةِ وَمَوَاطِنَ الحَیْرَةِ“[۳۲]

”آپ وہ طبیب تھے جو اپنی طبابت کو لیے ہوئے چکر لگا رہا ہو، جس نے اپنے مرہم کو درست کر لیا ہو اور داغنے کے آلات کو تپا لیا ہو، وہ اندھے دلوں، بہرے کانوں گونگی زبانوں (کے علاج معالجہ) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو اور دوا لیے ایسے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو“

شجاعت و بہادری:

امیر المومنین علی - کہ جو خود ’اشجع الناس‘ تھے وہ آنحضرتؐ کی شجاعت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

”کُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَیْنَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صلّیٰ اللّٰهُ عَلَیْهِ و آله وسلّم فَلَمْ یَکُنْ اَحَدٌ مِنَّا اَقْرَبَ اِلَی العَدُوِّ مِنْهُ“[۳۳]

”ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ جب جنگ میں شدت پیدا ہو جاتی اور دو گروہ برسر پیکار ہو جاتے تو ہم آنحضرتؐ کی پناہ میں آ جاتے اور آپ کو اپنی سپر قرار دیتے کیونکہ آپؐ کے علاوہ کوئی بھی دشمن کے قریب نہ ہوتا“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت پر امیر المومنین - کے تاثرات:

رسول خدا ﷺ کو غسل و کفن دیتے وقت فرمایا:

”بَاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّی یا رَسُولَ اللّٰهِ ! لَقَدْ اِنْقَطَعَ بِمَوْتِکَ مالم یَنْقَطَعْ بِمَوْتِ

غَیْرِکَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْانْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَاءِ خعَّصتَ حَتّٰی صِرْتَ مُسَلِّیاً عَمَّنْ سِوَاکَ،وَعَمَّمْتَ حَتّٰی صَارَ النّاسُ فیلَ سَوَاءً ،ولَوْلا اَنَّکَ اَمَرْتَ بالصَّبْرِ وَنَهَیْتَ عَنِ الجَزَعِ ،لَاَ نْفَدُ نَا عَلَیْلَ ماءَ النتُّؤُونِ ولَکَانَ الدَّاءُ مُمَا طِلاً، وَالْکَمَدُ مُحَالِفا ،وَقَلَّا لکَ ولکِنَّهُ مالا یُمْلَکُ رَدُّهُ ،ولا یُسْتَطَاعُ دَفْعُهُ ! بِاَبی انت اُمِّی! اذکُرْنَا عِنْدَ رَبِّکَ،وَاجْعَلْنَا مِنْ بالِکَ ۔ ''[۳۴]

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ،آپ کے رحلت فرما جانے سے نبوت ،الٰہی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہوگیا جو کسی اور نبی کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا،آپ کا غم اہل بیت÷ کے ساتھ یوں خاص ہوا کہ ان کے لیے ہر غم میں باعث تسلی بن گیا اور ساری امت کے لیے عام ہوا کہ سب برابر کے شریک ہو گئے ،اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور نالہ وفریاد سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آپ کے غم میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر دیتے اور یہ درد کسی درمان کو قبول نہ کرتا اور یہ رنج والم ہمیشہ ساتھ رہتا پھر بھی یہ گریہ و بکا اور حزن واندوہ آپ کی مصیبت کے مقابلے میں کم ہوتا لیکن موت ایسی چیز ہے جس کا پلٹانا کسی کے بس میں نہیں اور جس کا ٹال دینا کسی کے اختیار میں نہیں ۔میرے ماں باپ آپ پر قربان مالک کی بارگاہ میں ہمارا بھی ذکر کیجیے گا اور اپنے دِل میں ہمارا بھی خیال رکھیے گا۔''

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ القرآن:سورہ الاحزاب،آیت ۲۱

۲۔ نہج البلاغہ(ترجمہ مفتی جعفرحسین)خطبہ نمبر ۱۵۸،ص ۴۳۰،امامیہ پبلیکیشنز ۱۹۹۹
نہج البلاغہ دکتر صجی الصالح،خطبہ ۱۶۰،ص ۲۲۶ مرکز العبوث اسلامیہ،ایران ۱۳۹۵ء

۳۔ نہج البلاغہ(ترجمہ مفتی جعفرحسین)خطبہ نمبر ۱۵۸،ص ۴۳۲

۴۔ القرآن،آلعمران،آیت ۸۱

۵۔ نہج البلاغہ،خطبہ نمبر ۱،ص ۹۰(بحارالانوار،۱۱،۱۲)(بلاغ المبین،ص ۸۵)

۶۔ نہج البلاغہ،خطبہ نمبر ۱،ص ۹۰

۷۔ نہج البلاغہ،خطبہ نمبر ۲،ص ۹۹

۸۔ نہج البلاغہ،خطبہ نمبر ۹۳،ص ۲۹۷

۹۔ نہج البلاغہ،خطبہ نمبر ۱۵۶،ص ۴۲۷،خطبہ نمبر ۱۸۹،ص ۵۲۳

۱۰۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۶، ص ۱۶۴۔۱۶۵
۱۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۱۴، ص ۳۴۳
۱۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۴، ص ۵۶۳۔۵۶۲
۱۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۴۵، ص ۳۹۹
۱۴۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۶، ص ۵۷۰
۱۵۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۱۴، ص ۳۴۳
۱۶۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۸۳، ص ۵۰۱
۱۷۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۵۹، ص ۴۳۵۔۴۳۴
۱۸۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۱۰۶، ص ۳۱۹
۱۹۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۲، ص ۲۹۶
۲۰۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۴۵، ص ۳۹۹
۲۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۲، ص ۲۹۶
۲۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۴، ص ۲۹۸
۲۳۔ القرآن القلم، آیت ۴
۲۴۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۸۷، ح ۱۴۲، موسسہ الوفاء بیروت، ۱۹۸۳ء
۲۵۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۰۷، ص ۳۲۹۔۳۲۸
۲۶۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۵۸، ص ۴۳۳۔۴۳۲
۲۷۔ القرآن، آلعمران، آیت ۱۵۹
۲۸۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۰۳، ص ۳۱۲
۲۹۔ القرآن، التوبہ، آیت ۱۲۸
۳۰۔ القرآن، الکہف، آیت ۶
۳۱۔ نہج البلاغہ (ترجمہ مفتی جعفر حسین)، خطبہ نمبر ۹۳، ص ۲۹۷
۳۲۔ نہج البلاغہ (ترجمہ مفتی جعفر حسین)، خطبہ نمبر ۱۰۶، ص ۳۱۹
۳۳۔ نہج البلاغہ فصل فذکر فیه شیئاً من اختیار غریب کلامه المحتاج الی التفسیر، حدیث ۹
۳۴۔ نہج البلاغہ (ترجمہ مفتی جعفر حسین)، خطبہ نمبر ۲۳۲، ص ۶۴۱۔۶۴۰

☆☆☆☆☆

حقوق النبی ﷺ

ڈاکٹر ساجد علی سبحانی☆

محسن انسانیت، رسول مقبول، حضرت محمد ﷺ انسانیت کے لیے واحد سہارا ہیں جن کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر عصر حاضر میں انسان انفرادی اور سماجی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں اس مقصد کے لیے آپؐ کی عظمت ورفعت، برتری وبزرگی کو دل وجان سے تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کی حقوقی شخصیت کی معرفت حاصل کرنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ مقامہ بعنوان ''حقوق النبی ﷺ'' میں قرآن وسنت اور عقل کی روشنی میں ان حقوق نبیؐ کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی ادائیگی تمام انسانوں پر بالعموم اور امت مسلمہ پر بالخصوص لازم ہے ان میں سے بعض اہم حقوق زیر بحث لائے گئے ہیں:

۱۔معرفت نبی ﷺ، ۲۔حب نبی ﷺ، ۳۔اطاعت واتباع نبی ﷺ،
۴۔توقیر واکرام نبی ﷺ ۵۔آپؐ پر جھوٹ نہ بولنا، ۶۔آپؐ پر درود بھیجنا،

قرآن وسنت کی رو سے انسانوں پر بالعموم اور امت مسلمہ پر بالخصوص محسنِ انسانیت، رسول مقبول، خاتم النبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کے کچھ حقوق ثابت ہیں جن کی ادائیگی ان پر لازم ہے اور یہ عقیدہ توحید اور عقیدۂ رسالت کا بنیادی تقاضا بھی ہے، یہ آپؐ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں آپؐ کی عظمت اور آپؐ کے خلق عظیم کو بیان کیا ہے وہاں حقوق نبی کا بھی تذکرہ کیا ہے، ان میں سے بعض اہم حقوق درج ذیل ہیں۔

۱۔معرفت نبی ﷺ ۲۔حب نبی ﷺ ۳۔اطاعت واتباع نبی ﷺ
۴۔تعظیم واکرام نبی ﷺ ۵۔آپؐ پر جھوٹ نہ بولنا ۶۔آپؐ پر درود بھیجنا

☆ رکن مجلس ادارت، سہ ماہی نور معرفت، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بہارہ کہو، اسلام آباد

پہلا حق:

معرفتِ نبی ﷺ:

سب سے پہلے ضروری ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ باقی حقوق کی ادائیگی اسی پر موقوف ہے جیسے کسی کے بارے میں معرفت ہوتی ہے اس طرح اس کے بارے میں عقیدہ اور عمل ہوتا ہے، البتہ اس مقام پر اس بات کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ اگر رسول گرامی ﷺ کی معرفت کاملہ کا حصول ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ کی معرفت کاملہ اس وقت حاصل ہوگی جب آپؐ کے تمام شؤون (حیثیتوں) سے پوری آگاہی حاصل ہو جو کہ اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، بعض شؤون نبی درج ذیل ہیں۔

دنیوی۔اخروی　　　　ظاہری۔باطنی

جسمانی۔عقلانی۔روحانی　　　　قرآن مجید اور باقی آسمانی کتب میں

یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان آپؐ کی معرفت کاملہ کا دعوایدار نہیں ہے۔معرفت نبیؐ کے (Sources) درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن مجید　　۲۔دیگر آسمانی کتب　　۳۔سنت رسول ﷺ　　۴۔اقوال اہل بیت ؑ

۵۔اقوال امہات المومنینؓ　　۶۔اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہ　　۷۔مسلمان مفکرین کی آراء　　۸۔غیر مسلم مفکرین کی آراء

قرآن وحدیث کی روشنی میں آپؐ کی اجمالی معرفت کے درج ذیل پہلو ہیں۔

(الف) ختم نبوت:

آپؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں۔ختم نبوت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، ارشاد الٰہی ہے:

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍمِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ “[۱]

”(محمد ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ﷺ اور خاتم النبین ہیں“

خاتم یعنی مہر جیسے خط کے آخر میں اس کے اختتام کی نشاندہی کرتی ہے اسی طرح آپؐ وجودِ مبارک تمام انبیاء عظام ؑ کے صحیفہ نبوت کے ختم ہو جانے کی گواہی دیتا ہے، اب اور قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول ﷺ، آپؐ کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا، البتہ نازل شدہ وحی کی تشریح وتفسیر اور تبیین کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے کہ وہ اب انسانی معاشرہ میں نبوت کا پیغام دوسروں تک پہنچائے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو ہدایت کرے۔علامہ محمد اقبالؒ نے کتنے خوبصورت انداز میں اس ذمہ داری کی تشریح کی ہے۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد | بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از مامحفل ایام را | او رسل راختم وما اقوام را
خدمت ساقی گری با ما گذاشت | داد ما آخرین جامی که داشت

ترجمہ:

خدا نے ہم پر شریعت ختم کردی ہے (جیسے) رسول اللہ ﷺ پر رسالت ختم کردی ہے، محفلِ ایام (دنیا) کی زینت و رونق ہماری وجہ سے ہے (آپؐ تمام نبیوں اور رسولوں میں سے اکرم و افضل ہیں اور ہم امت مسلمہ تمام امتوں میں سے افضل ہیں) اب اللہ تعالیٰ نے ساقی گری کی خدمت ہم پر چھوڑ دی ہے (اب ہمارا فریضہ دوسری امتوں تک پیغام ہدایت پہنچانا ہے) اللہ تعالیٰ (ہدایت) کا جو آخری جام بنی نوع انسان کو عطا کرنا چاہتا تھا وہ اس نے ہمیں (قرآن مجید کی شکل میں) عطا فرما دیا۔

(ب) انسان کامل:

آپ صورت و سیرت، خَلق وخُلق کے لحاظ سے تمام بنی نوع انسان میں بے مثل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہر قسم کے عیوب سے پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔

اس واقعیت کا اظہار شاعر رسول ﷺ، ثناخوان نبی حضرت حسان بن ثابتؓ نے یہ کہہ کر کیا ہے:

خُلِقتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیبٍ | **کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ**
آپؐ ہر عیب سے خالی پیدا کیے گئے ہیں | گویا آپؐ کی تخلیق آپ کے منشاء کے مطابق کی گئی ہے
وَاَحسَنَ مِنکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَینِیُ | **وَاَجمَلَ مِنکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ**
اور آپؐ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا | اور آپؐ سے زیادہ جمیل، عورتوں نے کبھی جنا

شیخ سعدی نے آپ کی اعلیٰ و برتر شخصیت اور خوبصورت شمائل کے بارے میں فرمایا ہے:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ | **کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ**
آپؐ اپنے کمال کی طاقت سے بلندیوں پر پہنچے | آپؐ کے حسن و جمال سے تاریکیاں چھٹ گئیں
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ | **صَلُّوْ عَلَیہِ وَآلِہٖ**
آپؐ کے شمائل بہت خوبصورت تھے | آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر درود بھیجو

اس ذیل میں عظیم شاعر حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرِ | **مِنْ وَجھِکَ الْمُنِیرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ**
اے صاحب جمال، اے سید البشر! | آپ کے چہرہ پرنور سے ہی چاند منور ہوا

لاَ یُمْکِنُ الثنآ ءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ | بعد از خدا بزرگ، توئی قصه مختصر

آپؐ کی ثنا اور نعت کا حق ادا کرنا ممکن نہیں | مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگتر آپؐ ہی کی ذات ہے

(ج) افضل الانبیاء والمرسلین:

آپؐ تمام انبیاء والمرسلین میں سے افضل ہیں اور اس فضلیت کے کئی اسباب ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ - نے آپؐ کی آمد کی بشارت دی ہے، ارشاد ربانی ہے

''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ ''[۲]

''جناب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس توارت کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے''

اگر پیغمبر اسلام اور دیگر انبیاء عظام ÷ یا حضرت عیسیٰ - آپؐ کے ہم رتبہ ہوتے تو اس بشارت کی کیا اہمیت رہتی ہے ؟اسی طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر اور زبور میں بھی آپؐ کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔

(۲) مخلوق اوّل:

روایات کی روشنی میں آپ خلقت نوری کے اعتبار سے اولین مخلوق ہیں، فرمان نبویؐ ہے:

''اول ماخلق الله نوری ''

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو خلق کیا ہے''

یہ مضمون متعدد، روایات میں آیا ہے۔[۳]

(۳) صاحبِ لولاك:

مشہور حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے:

''لولاک لما خلقت الا فلاک''[۴]

''اے حبیب اگر آپ نہ ہوتے تو ہم افلاک یعنی کائنات کو خلق نہ کرتے''

اس حدیث قدسی کے مطابق آپ وجہ تخلیق کائنات، مقصودِ کائنات اور اصلِ وجان کائنات ہیں۔کائنات کی رونق اور عظمت آپؐ کی تشریف آوری کی بدولت ہے۔علامہ محمد اقبال بھی اسرار ورموز میں فرماتے ہیں

اے ظہور تو شباب زندگی | جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

آپؐ کی تشریف آوری سے زندگی کو شباب نصیب ہوا اور آپؐ کا ظہور خوابِ زندگی کی تعبیر ہے۔

اگر آپؐ کا ظہور نہ ہوتا تو حیاتِ کائنات کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

(۴) مقام نوری میں پہلے نبی ﷺ:

آپؐ مقام نوری میں اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم۔تخلیق کے عمل سے گزر رہے تھے ارشاد نبوی ہے:

''کُنتُ نَبِیّاً وَآدَمُ بَینَ المآءِ وَالطِّینِ ''

''میں اس وقت نبی تھا جب آدم۔پانی اور مٹی کے درمیان تھے''

علامہ اقبال نے بھی کہا ہے:

جلوہ او قدسیاں راسینہ سوز — بود اندر آب و گل آدم ہنوز

آپؐ کا جلوہ اس وقت بھی فرشتوں کے سینوں کو گرما رہا تھا — جب حضرت آدم ۔پانی اور مٹی کے درمیان تھے

(۵) گزشتہ شرائع منسوخ:

آپؐ کی شریعت کے بعد تمام گزشتہ شرائع منسوخ کی گئیں اور نزول قرآن کریم کے بعد تمام گزشتہ آسمانی کتابیں منسوخ ہوئیں، قیامت تک شریعت محمدیہ اور قرآن کی تعلیمات حاکم ہیں۔

دوسرا حق۔

حبّ نبی ﷺ:

امت مسلمہ پر آنحضرتؐ کا ایک حق آپؐ سے حبّ اور عشق کا جذبہ ہے، حبّ خدا کے ساتھ حبّ نبیؐ ایمان کا تقاضا ہے، اس کے بغیر ایمان کامل ہے نہ اتباع ممکن ہے، حبّ نبیؐ دنیا اور آخرت میں کامیابی کا راز ہے، حبّ نبیؐ ملت مسلمہ کی اجتماعیت کا ایک اہم عامل ہے، علامہ اقبال نے اس ضمن میں کہا ہے:

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم — زیں جہت بایک دگر پیوستہ ایم

رشتہ مایک تو لا یش بس است — چشم ما راکیف صہبا یش بس است

عشق او سرمایہ جمعیت است — ہمچوں اندر عروق ملت است

عشق درجاں و نسب در پیکر است — رشتہ عشق از نسب محکم تر است

ہم نے حجازی محبوب (سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) سے دل لگایا ہے

اسی سبب سے ایک دوسرے کے ساتھ ہمارا (ایمانی، روحانی) رشتہ جڑ گیا ہے

صرف آپؐ کی محبت ہی سے ہمارا باہمی رشتہ ہے

ہماری آنکھ صرف آپؐ کی (محبت) کی شراب سے مست ہے

آپؐ کا عشق ملت کی جمعیت کا سرمایہ ہے

وہ ملت کی رگوں میں خون کی مانند دوڑ رہا ہے

عشق کا تعلق جان سے ہے اور نسب کا بدن سے

اس لیے عشق کا رشتہ نسب سے زیادہ پختہ ہے

حبّ نبیؐ سنت الٰہیہ اور حکم خدا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ ......وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ''[۵]

''اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز وا قارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا''

اس آیت کریمہ میں زیادہ حبّ کو اللہ تعالیٰ اس کے رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق قرار دیا گیا ہے کہ ان تینوں سے مومنین کے دلوں میں محبت زیادہ ہونی چاہیے، نیز حبّ خدا کے ساتھ حبّ نبی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک بہت بڑا حق ہے۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

''عن انسؓ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ لَا يُؤمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ''[۶]

''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُس کو اس کے باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں''

اس مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔

حبّ رسول کا حق تب ادا ہوگا جب وہ دنیا کی تمام محبتوں پر غالب آ جائے اور آپؐ کو اپنی جان، اپنی اولاد ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں سے مقدم جانے۔

ارشاد خداوندی ہے:

''اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ''[۷]

''نبی اہل ایمان کے لیے ان کی جانوں پر مقدم ہیں''

اہمیت:

حبّ رسول ﷺ کی اہمیت میں یہی کافی ہے کہ یہ حکم خدا، حکم رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ سیرت اہل بیتؓ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیرت مسلمین بھی ہے، یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو مسلمان کو سلمانؓ میں بدل دیتا ہے۔ اسی جذبہ محبّ نبیؐ کی بدولت صدر اسلام کے عرب کس قدر تیزی سے ''اولئک کا لا نعام '' کے مرحلے سے ''کنتم خیر امة ' کی منزل پر

فائز ہوئے، علامہ اقبالؒ نے اسرار و رموز میں کیا خوب فرمایا ہے:

دل زعشق او توانا میشود　　خاک همدوش ثریا مشود
خاکِ نجد از فیض او چا لاک شد آمد　　اندر وجد، وبرافلاک شد
در دل مسلم مقام مصطفی است　　آبروئی ماز نام مصطفی است

دل آپؐ کے عشق وحّب سے قوی ہوتا ہے (یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں نے کس قدر حیران کن کارنامے سرانجام دیئے) حّب نبی کی بدولت خاک بھی ثریا کے ہمدوش وہم پلہ ہو جاتی ہے۔نجد کی خاک آپؐ کے فیض و برکت سے بلند ہوگئی۔اس خاک پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ آسمان پر جا پہنچی (حقیقی) مسلمان کے دل میں حضرت مصطفیٰ ﷺ ہی بستے ہیں۔ہماری عزت وآبرو آپؐ کے نام گرامی کی بدولت ہے (کہ اہم امت محمدیہ کہلاتے ہیں اور امت محمد ﷺ کی قرآن کریم میں کس قدر عظمت بیان کی گئی ہے)

قرآن وحدیث کے مطابق کسی بھی شخصیت سے حب رکھنے کے جتنے اسباب ہو سکتے ہیں وہ تمام آپؐ کی شخصیت میں موجود ہیں:

صدرِ اسلام میں حّب نبی ﷺ کے بے مثال نمونے:

صدرِ اسلام سے حبّ نبی بے مثال نمونے تاریخ اسلام میں ثبت ہیں کفیل نبی اکرم ﷺ حضرت ابو طالبؑ نے حبّ نبی ﷺ کے سلسلہ میں اپنی، اپنے بیٹوں، بھائیوں، اور بھتیجوں کی جان پر بھی نبی ﷺ کو مقدم رکھا، آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھا۔حبّ نبی ﷺ کا یہ جذبہ منفرد وبے مثال ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ نے بھی حبّ نبی ﷺ کی بمثال تاریخ رقم کی ہے۔صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جو قریش کی جانب سے آپؐ کے پاس سفیر بن کر آئے تھے اور ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے حضور ﷺ سے صحابہ کرام کی محبت وعقیدت کے جو مظاہر دیکھے وہ انھوں نے یوں بیان کیے ہیں، اے میری قوم، بخدا میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں، بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اتنی تعظیم کرتے، جتنی محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں، خدا کی قسم ان کے ساتھی محمد ﷺ کا لعابِ دہن نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ وہ کسی نہ کسی کی ہتھیلی پر گرتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا اور جب وہ انہیں کوئی حکم دیتے تھے تو اس کو بجالانے کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور زیادہ تعظیم کے سبب وہ آپ کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔[۸]

اے کاش! حبّ مصطفیٰ ﷺ کا یہ جذبہ اگر آج بھی مسلمانوں کے دلوں میں متحرک ہو جائے تو شاید امت مسلمہ کی تقدیر بدل جائے۔

(۱)حسن و جمال:

آپ کے حسن و جمال کی کیا تفسیر کی جائے کہ آپ ؐ ہر قسم کے ظاہری اور باطنی عیب سے پاک ہیں، جب آپ ؐ نور ہیں تو نور میں عیب کا تصور ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۲)اخلاق حسنہ:

آپ ؐ کا اخلاق حسنہ کے مالک تھے آپ ؐ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل بتایا ہے۔
ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق''

''مجھے اخلاق کریمہ وحسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے''

یقیناً آپ ؐ سے پہلے کے انبیاء عظام ؑ نے بھی انسانی اخلاق کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں لیکن اخلاق محمدیہ سے اُن کی تکمیل ہوئی ہے، اب آپ ؐ کے اخلاق سے بڑھ کر خلق کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔

غور طلب یہ کہ خلق محمدی ﷺ کی مثالیں بعثت کے بعد کی نہیں ہیں بلکہ بعثت سے پہلے بھی اس وقت کے انسانی معاشرے میں اخلاق حسنہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، آپ ؐ کے حسن اخلاق کی شہرت تھی چنانچہ اہل مکہ آپ ؐ کے اخلاق اور بلند کردار سے متاثر ہو کر آپ ؐ کو الصادق اور الامین کے القابات سے پکارتے تھے۔

آپ ؐ کے خُلق کی گواہی قرآن مجید نے دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ''[9]

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو''

(۳)احسان اور حسن سلوک:

آپ ؐ صرف محسن انسانیت نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ''[10]

''ہم نے آپ کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے''

رحمۃ للعالمین ؐ آپ کی خاص صفت ہے۔ آپ ؐ یقیناً عالمین کے لیے سرچشمہ رحمت ہیں، آپ ؐ کی رحمت انسانوں میں سے ہر طبقہ کو شامل تھی اور آپ ؐ کا مشہور خطبہ ''حجۃ الوداع'' آپ ؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا بین ثبوت ہے یہ انسانی حقوق (Human Rights) کا ایک عالمگیر، جامع اور اکمل منشور ہے، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، یتیم، مسکین، آزاد، غلام، مسلم یہاں تک کہ غیر مسلم بھی آپ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ غیر ذوی العقول حیوانات، درخت پرندے، بھی رحمت محمد ﷺ یہ سے محروم نہ رہے۔ آپ ؐ نے انسانوں کے علاوہ جنوں اور ملائکہ کی طرف بھی نظر کرم فرمائی، قرآن مجید نے (القرآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا) کے اصول کے مطابق رحمۃ للعالمین کی اس طرح تفسیر کی ہے

ارشادِربانی ہے:

''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ ....بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ''[11]

''دیکھو تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے،ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے''

حضور ﷺ کس قدر امت کے لیے شفیق ومہربان تھے کہ ہمیشہ امت کی فلاح اور راہ ہدایت پر باقی رہنے کی آپؐ کو فکر رہتی ،اس مقصد کے لیے آپؐ نے کتنی تکالیف اٹھائیں ،غار حرا میں خلوت نشینی ،اللہ تعالیٰ کے ''قول ثقیل'' (بھاری کلام)یعنی قرآن کا بار اٹھانا،ہجرت ،غزوات وسرایا، یہ سب کچھ آپ نے ہدایتِ امت کے لیے انجام دیا پھر آپؐ نے اپنے عمل اور وحی خداوندی کے ذریعے ایک ایسی ملت کی تربیت کی جو''خیرالامم'' کا مصداق بنی۔

علامہ محمد اقبالؒ نے

مصطفٰی اندر حرا خلوت گزید مدتی جز خویشتن کسی را ندید

نقش مادر دل او ریختند ملتے از خلو نتش انگیختند

حضرت محمد مصطفٰی ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار کی اور ایک مدت تک اپنے سوا کسی کو نہ دیکھا ہمارا نقش قدرت کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے دل میں ڈالا گیا آپ کی خلوت کے اندر سے ایک نئی ملت ابھری آپؐ کو حیات کے آخری لمحات تک اگر فکر رہی تو امت کی رہی ،اس کے معنی یہ ہیں کہ روحانی ودینی قیادت کو اپنی نہیں بلکہ امت کی فکر رہتی ہے ،صرف موجودہ نہیں بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کی فکر اُسے تڑپاتی ہے آپؐ نے وفات سے چار دن پہلے جب کہ آپ سخت تکلیف میں تھے،اس وقت بھی ہدایت امت کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کو حکم دیا۔

''هَلُمَّ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَاباً لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ ''[12]

'لاؤ میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے''

رحمت محمدیہ ﷺ سے آپ کے دشمن بھی محروم نہ رہے چنانچہ جنھوں نے آپؐ کے مشن کو قبول نہ کیا ان کے لیے بھی آپ شفیق ورحیم تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے دشمنوں تک کو بددعا نہ دی بلکہ اُنہیں ہدایت کی دعا دی ہے، جنگ اُحد کے موقع پر آپؐ نے آپؐ کو زخمی کرنے والوں ،آپؐ کے ایک دانت کو شہید کرنے والوں کے بارے میں بھی بارگاہ خداوندی سے درخواست کی۔

''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ''[13]

''اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ نہیں جانتی''

علامہ اقبالؒ نے اسرار و رموز میں رحمت محمدیہ ﷺ کی وضاحت میں کہا ہے:

لطف و قہر او سراپا رحمتے　　آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

آں کہ بر عِدا در رحمت گشاد　مکہ را پیغام لا تثریب داد

''آپ کی مہربانی اور سختی اور دونوں سراپا رحمت ہیں اور ان کا سرچشمہ رحمت ہے (جیسا کہ اولاد پر والدین کی مہربانی اور سختی ان پر شفقت کی وجہ سے ہوتی ہے) (وہ لطف و مہربانی) دوستوں (صاحبان ایمان) کے لیے اور یہ (سختی و قہر) دوشمنوں کے لیے وہ ذات گرامی کہ جس نے دشمنوں کے لیے بھی رحمت کا دروازہ کھول دیا (فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں سے انتقام لینے کی بجائے) مکہ والوں کو **لاتثریب علیکم** (تمہارے لیے کوئی سزا نہیں) کا پیغام دیا''۔

آپؐ کا وجود مقدس صرف مسلمان نہیں بلکہ کفار کے لیے بھی رحمت کا سرچشمہ تھا۔ کفار آپ کی بدولت اجتماعی عذاب سے محفوظ رہے، ارشاد الٰہی ہے:

''**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ**''[۱۴]

''جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ (تعالیٰ) ان پر عذاب نہیں بھیجے گا''

اتنے رحیم، شفیق و مہربان لیڈر کی محبت و عشق کے جذبہ کا تمام انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونا فطری ہے۔ مسلمان تو آپؐ کے نام پر جان چھڑکتے ہیں۔

تیسرا حق۔

اطاعت واتباع نبی ﷺ:

حق معرفت کا تعلق ذہنیت (Mentality) سے ہے۔ حق حبّ کا تعلق احساس (Feeling) سے ہے اور حق اطاعت واتباع کا تعلق عمل (Practice) سے ہے، پہلے دو حقوق اس لیے ضروری ہیں کہ مومن کے دل میں اطاعت واتباع نبی کا محرّک پیدا ہو، اگر ایسا محرّک پیدا ہوتا ہے تو معرفت اور حب نبی Active ہیں ورنہ Passive ہیں۔

اہمیت:

اطاعت اور اتباع نبیؐ کے بغیر دین خداوندی پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور انسان ممکن الوجود، ممکن الوجود کس طرح بلا واسطہ واجب الوجود سے ہدایت لے سکتا ہے، لہٰذا درمیان میں ایسی ہستیوں کا ہونا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ سے پیغام ہدایت لے کر انسان تک پہنچائیں یہ انبیاء ورسل کہلاتے ہیں، یہ معصوم ہوتے ہیں

اور اپنے قول وفعل سے مرضی خدا کی خبر دیتے ہیں اور انسانوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ راستے پر چلنے کی ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں۔نبوت کا سلسلہ حضرت آدم - سے شروع ہوا،حضور ﷺ پر ختم کر دیا گیا۔آپؐ کی ذات وگرامی صفات میں آدمیت اور رسالت دونوں اپنے کمال کو پہنچ گئیں،کیا عظمت ہے ذاتِ مصطفیٰ کی جن کا قول اور فعل اس قدر مرضی خدا کا عکاس اور وحی خداوندی سے متصل ہے کہ خود آپؐ کے قول اور فعل سے دین کی حدود متعین ہوتی ہیں

به مصطفی بر ساں خویش را که دیں همه است

تو حضرت مصطفیٰ تک خود کو پہنچا (ان کی اطاعت واتباع کر) کہ حضور ہی مکمل دین ہیں

اگر به اونرسیدی تمام ابو لہبی است [۱۵]

اگر تو آنحضرت تک نہیں پہنچتا تو تیرا سارا دین ابولہب کا دین ہے

طاعتے سر مایه جمعیتے زحدود مصطفیٰ بیروں مرو[۱۶]

اطاعت شعاری جمعیت (Society) کا سرمایہ ہے آپؐ کے مقرر

کردہ آئیں کی حدود سے باہر نہ نکل

اطاعت اور اتباع میں فرق:

اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں سے ہوسکتا ہے جب کہ اتباع کا تعلق صرف رسول اللہؐ سے ہے۔قرآن مجید میں اتباع نبی کا حکم تو ہے مگر اتباع خدا کا حکم نہیں ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اتباع نقش قدم پر چلنے کا نام ہے جب اللہ تعالیٰ جو جسم وجسمانیات سے منزہ ہے اس کا قدم ہی نہیں تو نقش قدم اس کے لیے ناقابل تصور ہے۔

اطاعت نبی ﷺ کے باب میں ارشاد ربانی ہے۔

''یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااَطِیْعُوْااللّٰہَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِمِنْکُمْ ''[۱۷]

''اے صاحبان ایمان،اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے صاحبان امر کی''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ اطاعت نبی درحقیقت اطاعت خدا ہے۔

''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ''[۱۸]

''جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی''

اتباع نبی کی اہمیت یہ ہے کہ یہ محبت خدا کی دلیل ہے۔ارشاد خداوندی ہے

''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہِ فَاتَّبِعُوْنِیْ ''[۱۹]

''اے نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''

دوسرا فرق اطاعت اور اتباع میں یہ ہے کہ اطاعت اقوال میں ہوتی ہے اور اتباع افعال میں،اطاعت و اتباع

نبی ﷺ کے معنی یہ ہیں کہ نبیؐ کے اقوال (حدیث) اور افعال دونوں حجت ہیں، اس لیے سنت رسولؐ میں قول نبی، فعل نبی اور تقریر نبیؐ تینوں شامل ہیں۔ آپؐ کا قول اور فعل دونوں باب ہدایت میں حجت ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی صحت کی ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىO اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰى ''[۲۰]

''اور رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا سوائے وحی کے جو اس پر کی جاتی ہے''

اس آیت کریمہ میں نطق نبیؐ کو وحی خداوندی میں محدود کیا گیا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے کلام نبی ﷺ کی صحت کی سند ہے اسی طرح فعل نبی کی صحت کے بارے میں فرمایا

''وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا''[۲۱]

''اور جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو''

نیز ارشاد فرمایا:

''لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ ''[۲۲]

''بے شک آپؐ کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے''

اس آیت کریمہ کا تعلق اگرچہ جنگ احزاب سے ہے مگر اس کے الفاظ میں اطلاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسوہ نبی کو مطلقاً نمونہ قرار دیا ہے، لہذا آپؐ کی حیات طیبہ (جس میں آپؐ کا فعل بھی شامل ہے) زندگی کے ہر شعبہ میں نمونہ عمل ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر شعبہ حیات میں آپ کی زندگی کو نمونہ قرار دیں۔

اطاعت و اتباع نبی کے تقاضے:

۱۔ زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی، عسکری، ملکی اور بین الاقوامی مسائل میں آپؐ کی تعلیمات پر خلوص دل سے عمل کیا جائے۔

۲۔ حیات نبیؐ اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام نزاعات اور اختلافات میں تعلیماتِ نبی ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے اور آپؐ کے حکم کو بلا چوں و چرا مانا جائے۔

ارشاد ربانی ہے۔

''فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ''[۲۳]

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا

فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ‘‘ [24]

’’(اے محمدؐ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

’’وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا‘‘ [25]

’’کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا‘‘

۳۔ آپؐ کو (Role Model) اور اسوہ قرار دیا جائے، اسوہ نبی ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس پر عمل کر کے مسلمان خیر الامم اور دنیا کی سب سے بڑی قوت بن گئے اور اسی کو چھوڑ کر آج مسلمان وافر وسائل ہونے کے باوجود ذلت وخواری میں گرے ہوئے ہیں، آپؐ کے اسوہ حسنہ کی پیروی ہی امت مسلمہ کی عظمت رفتہ لوٹا سکتی ہے۔

تا شعار مصطفی از دست رفت　　　قوم را رمز بقا از دست رفت

حضرت مصطفیٰ ﷺ کا شعار (شریعت) ہاتھ سے نکل گیا　　　تو قوم حقیقت بقا سے بھی محروم ہوگئی۔ [26]

۴۔ فہم دین میں حدیث نبوی کو قرآن مجید کے بعد دوسرا مصدر شریعت تسلیم کیا جائے جیسا کہ متفق علیہ بین المسلمین ہے کہ قرآن مجید کے بعد دوسرا ماخذ شریعت سنت رسول ﷺ ہے۔

۵۔ اہل بیتؑ، امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپؐ کی تعلیمات اور ارشادات پر عمل کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کا احترام دراصل اللہ تعالیٰ کا احترام ہے، توہین رسالت دراصل توہین توحید و توہین خدا ہے جو کہ یقیناً حرام ہے۔

چوتھا حق۔

تعظیم و اکرم نبیؐ:

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ پیارے نبی ﷺ کی عزت، توقیر اور اکرام کو ہر حال میں مدنظر رکھیں اور ہر ایسے قول و فعل سے اجتناب کریں جس سے تصریحاً یا اشارۃً و کنایۃً آپؐ کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو، نبی ﷺ کا احترام دراصل اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ توہین رسالت دراصل توہین خدا ہے جو کہ یقیناً حرام ہے۔

ناموس رسالت کے سلسلے میں قرآن مجید میں کئی مقامات پر راہنمائی کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ''[۲۷]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے''

اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کو نہی کی صورت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ کو مقدم رکھے، کبھی اپنی رائے اور خیال کو اس پر مقدم نہ رکھے اور نہ ہی حکم خدا و حکم رسول کو چھوڑ کر از خود فیصلہ کرے۔

''یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہو سکتی ہے، نہ ان کی عدالت اور پارلیمنٹ''[۲۸]

اللہ تعالیٰ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کا ادب بھی سکھایا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ''

''اے صاحبان ایمان! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''[۲۹]

مولانا مودودی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''دین میں ذات مصطفیٰ کی عظمت کا کیا مقام ہے، رسول پاک ﷺ کے سوا کوئی شخص، خواہ بجائے خود کتنا ہی قابل احترام ہو، بہر حال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ بے ادبی خدا کے ہاں اُس سزا کی مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ ایک بدتمیزی ہے، خلاف تہذیب حرکت ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے احترام میں ذرا سی کمی بھی اتنا بڑا گناہ ہے، کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے''[۳۰]

اس کے برعکس جو صاحبان ایمان مجلس رسول ﷺ میں اپنی آواز پست رکھتے ہیں اُن کی قرآن کریم نے مدح کی ہے اور اُن سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت و اجر کا وعدہ کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ''[۳۱]

''جولوگ رسول خدا ﷺ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ در حقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کواللہ (تعالی) نے تقوی کے لیے جانچ لیا ہے،اُن کے لیے مغفرت ہےاوراجرعظیم''

اس ارشادربانی کامفہوم یہ ہے کہ جوشخص رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اونچی آواز سے بولتا ہے،اپنی آواز پست نہیں رکھتا یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا احترام نہیں ہےاور جودل آپؐ کے احترام سے خالی ہے وہ درحقیقت تقویٰ سے خالی ہے، درحالیکہ تقویٰ ہی قبولیت اعمال کا معیار ہے۔ارشادربانی ہے:

''اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ''[۳۲]

اللہ تعالیٰ نے توقیرِ نبی ﷺ کے باب میں لوگوں کوآپؐ سے ملاقات کے طریقہ کی بھی تعلیم دی ہے کہ جب وہ آپؐ سے ملنے کے لیے آئیں اورآپ کوموجود نہ پائیں تو پکار پکارآپؐ کو بلانے کے بجائے صبر کے ساتھ بیٹھ کراس وقت کا انتظارکریں جب آپ خودان سے ملاقات کے لیے باہرتشریف لائیں اوراگرکوئی اس طریقہ کی خلاف ورزی کرتا ہےتو وہ بےعقل ہے،ارشادخداوندی ہے:

''اِنَّ الَّـذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَO وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''[۳۳]

''اے نبی جولوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بےعقل ہیں، اگروہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا اللہ درگزروالا رحیم ہے''

اکرام نبیؐ کے باب میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے گھر میں داخل ہونے کا ادب بھی بیان کیا ہے،ارشادخداوندی ہے:

''يٰٓاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْـرَ نٰـظِرِيْـنَ اِنٰـهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْ نِسِيْـنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْ ذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْىٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ''[۳۴]

''اے صاحبان ایمان! نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو، نہ کھانے تاکتے رہو، ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالوتو منتشر ہوجاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو،تمہاری یہ حرکتیں نبی کوتکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اوراللہ حق بات کے کہنے میں نہیں شرماتا''

اس آیت سے بیوت نبی ﷺ کی بابت چندآداب ثابت ہوتے ہیں، ان آداب کاتعلق اگرچہ آپکی حیات مبارکہ سے ہےمگراس سے آپؐ اورآپؐ کے متعلقات کی ہردورمیں عزت وتکریم ثابت ہوتی ہے وہ آداب درج ذیل ہیں:

(۱) مومنین بلا اجازت نبیؐ کے گھروں میں داخل نہ ہوں، اذن لینا ضروری ہے چاہے انفرادی غرض کے لیے کوئی آنا چاہے یا دینی مسئلہ پوچھنے کے لیے

(۲) اگر نبی خدا ﷺ کھانے پر بلائیں تو ضرور آئیں مگر جلدی نہ آئیں کہ بیٹھ کر کھانا پکنے تک انتظار میں بیٹھے رہیں۔

(۳) پیارے نبی ﷺ کی دعوت پر آئیں تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دھرنا مار کر نہ بیٹھیں بلکہ منتشر ہو جائیں تاکہ خانوادہ رسول ﷺ کو زحمت نہ ہو۔

(۴) جب تک بیت نبی ﷺ میں آنحضرتؐ کے ہاں حاضر ہیں تو ایسی گفتگو نہ کریں (گپ شپ نہ لگائیں) جس سے وہ لوگ مانوس ہوں جس کا دنیوی فائدہ ہے نہ اُخروی بلکہ معلّم انسانیت کے حضور میں مفید گفتگو کریں

گفتگو میں حضور ﷺ کے ادب واحترام کا لحاظ رکھنے کے ذیل میں یہ بھی ارشاد خداوندی ہے کہ:

''لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا ''[۳۵]

''رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو''

''یعنی تم عام آدمیوں کو جس طرح اُن کے نام لے کر باآواز بلند پکارتے ہو اُس طرح رسول اللہ ﷺ کو نہ پکارو، اس معاملے میں اُن کا انتہائی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ ذرا سی بے ادبی بھی اللہ کے ہاں مواخذے سے نہ بچ سکے گی''[۳۶]

سوال: اگر کوئی ناموس رسالت کی پرواہ نہیں کرتا اور (معاذ اللہ) قولا یا فعلا اہانت رسول ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا کیا ہے؟

جواب: (اولا) ایسا شخص عقل اور عقلاءِ عالم کے نزدیک یقیناً قابل مذمت ہے کیونکہ آپ محسن انسانیت ہیں، قیامت تک آنے والی ہر انسانی نسل اور بنی نوع انسان کے ہر فرد کے محسن ہیں اور احسان کا بدلہ تو عقل و شرع دونوں کی رو سے احسان ہی ہے۔

''هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ''[۳۷] ''احسان کا بدلہ احسان ہی ہے''

محسن کی توہین کرنا یقیناً قابل مذمت ہے۔

(ثانیا) اہانت رسول ﷺ کرنے والا اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کو اذیت پہنچاتا ہے اور ایسا شخص ملعون ہے۔

ارشاد خداوندی ہے

''اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا''[۳۸]

''بے شک جولوگ اللہ اوراس کے رسول کواذیت پہنچاتے ہیں اللہ ان پر دنیااورآخرت میں لعنت کرتا ہےاوران کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار رکھا ہے''

(ثالثاً)فقہی اعتبار سے بھی اس کی سزا مقرر ہے

پانچواں حق۔

نبی کریم ﷺ پرعمداً جھوٹ نہ بولنا:

یہ حق (Nagtive) ہے مقصد یہ کہ کوئی مسلمان آنحضرتؐ پرعمداً جھوٹ نہ بولے اور جو کچھ آپؐ نے نہیں فرمایا ہے اسے آپؐ کی طرف نسبت نہ دے اور آپ پر بہتان نہ باندھے۔ نبی خدا ﷺ پر جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، جھوٹ بولنا ویسے بھی گناہ ہے مگر آپ پر جھوٹ بولنا اس لیے سنگین جرم ہے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، یہ کام جائز ہے درحالیکہ وہ شرعاً ایسا نہ ہوتو اس سے احکام خداوندی کی مخالفت لازم آتی ہے، نیز اس سے تشریع لازم آتی ہے کہ جو حکم، حکم شارع نہیں ہے وہ شریعت کا حکم مانا جائے اور یہ عمل حرام ہے،اس لیے اس کا حکم فقہی بھی عام کذب سے مختلف ہے کہ عام کذب مبطل صوم نہیں ہے جب کہ کذب علی الرسول مبطل صوم ہے،اس ضمن میں متعدد روایات منقول ہیں۔[۳۹]

کذب علی النبی کی حرمت پر ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''لاَ تَكْذِبُوا عَلَيّ فَإِنَّه مَنْ كَذِبَ عَلَيّ فَلْيَلِجِ النَّارَ''[۴۰]

''مجھ پر جھوٹ نہ بولو، بے شک جو مجھ پر جھوٹ بولے گا وہ آتش جہنم میں داخل ہوگا''

چھٹا حق۔

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا:

حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجنا حکمِ خدا ہے جس پر مسلمان عمل کرتے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''[۴۱]

''بے شک اللہ اوراس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے صاحبان ایمان تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو''

(صلوۃ کا لفظ جب علی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں ایک کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اوراُس پر جھکنا، دوسرے کسی کی تعریف کرنا، تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا، یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا ہوجائے یعنی اس کا فاعل اللہ ہوتو تیسرے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاًنا قابل تصور ہے اس لیے وہ پہلے دومفعول میں ہوگا۔لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا،خواہ وہ فرشتے

ہوں یا انسان تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا، مدح وثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی، لہٰذا صلوعلیہ کا مطلب یہ ہے کہ اے صاحبان ایمان تم حضورؐ کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح وثنا کرو اور ان کے لیے دعا کرو سلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، سلامتی، دوسرے صلح اور عدم مخالفت پس نبیؐ کے حق میں سلمو، تسلیما کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو، اُن کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ان کے سچے فرمانبردار بن کر رہو)[۴۲]

اس آیت کریمہ میں ''صلوا'' اور ''سلموا'' امر کے صیغے لائے گئے ہیں بغیر قرینہ کے جو فرض اور وجوب کو بتاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ''اس امر پر اجماع ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ حضور پر درود بھیجنا فرض ہے''۔[۴۳]

اس کے علاوہ جب آپؐ کا مبارک نام آئے تو درود پڑھنا مستحب ہے، بعض کے نزدیک واجب ہے، نماز میں صلوۃ علی النبی کے بارے میں فقہی اختلافات ہیں۔

امامیہ کے نزدیک محمد وآل محمد پر تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے جتنی مرتبہ تشہد پڑھا جاتا ہے اتنی مرتبہ درود پڑھا جائے۔ تشہد میں درود پڑھنے کے وجوب پر علماء امامیہ کے اجماع کا دعوی کیا گیا ہے۔[۴۴]

''امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کے آخری تشہد میں درود پڑھنا فرض ہے اگر کوئی شخص نہ پڑھے تو نماز نہ ہوگی، امام احمد بن حنبلؒ نے بھی آخر میں اسی قول کو اختیار کر لیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ درود عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے جیسے کہ کلمہ شہادتین پڑھنا ایک مرتبہ فرض ہے''[۴۵]

صلوۃ النبی کا طریقہ:

قرآن مجید میں جب حضور ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپ پر سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں یعنی نماز میں **السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته** اور ملاقات کے وقت **السلام علیک یا رسول الله** کہنا مگر آپ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہو:

> **''اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کافضل ما صلیت ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید ،اللهم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید''**[۴۶]

تقریباً آٹھ احادیث میں صلوۃ علی النبی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، ان تمام احادیث میں پیارے نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا جو طریقہ آپؐ سے منقول ہے اس میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کی آل اور ذریت کا بھی ذکر آیا ہے، اسی لیے درود پڑھنے کا جو مشہور طریقہ ہے اسمیں آپؐ کے ساتھ آل محمد ﷺ کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ القرآن،الاحزاب،۴۰

۲۔ القرآن،الصّف،۶

۳۔ علامہ مجلسی،بحارالانوار،ج۱ص۹۷،حدیث،۷،الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی،الاصول من الکافی، کتاب الحجۃ باب مولد النبی ﷺ ووفاتہ

۴۔ علامہ یوسف نبھانی: جواہر البحار ۱۹۰/۲،علامہ شعرانی،کشف الغمۃ :۴۳/۲،علامہ جلال الدین سیوطی، خصائص کبری:۷/۱،الزرقائی: شرح مواہب اللدنیۃ :۶۳/۱، ۲۴۲،عبدالحق محدث دھلوی: مدارج النبوۃ،۱۱۶/۱

۵۔ القرآن،التوبہ،۲۴

۶۔ صحیح بخاری،کتاب الایمان،حدیث،۱۵

۷۔ القرآن،الاحزاب،۶

۸۔ صحیح بخاری،باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط،حدیث:۲۷۳۱،۲۷۳۲)

۹۔ القرآن،القلم،۴

۱۰۔ القرآن،الانبیاء،۱۰۷

۱۱۔ القرآن،التوبہ:۱۲۸

۱۲۔ صحیح بخاری،کتاب المرض،حدیث،۵۶۶۹

۱۳۔ القاضی عیاض،الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ ص:۸۱،ج۱،چاپ عثمانیہ،استنبول

۱۴۔ القرآن الانفال،۳۳

۱۵۔ علامہ محمد اقبالؒ،ارمغان حجاز

۱۶۔ علامہ محمد اقبالؒ،اسرار ورموز

۱۷۔ القرآن،النساء،۵۹

۱۸۔ القرآن،النساء،۸۰

۱۹۔ القرآن،آل عمران،۳۱

۲۰۔ القرآن،النجم،۳۔۴

۲۱۔ القرآن،الحشر،۷

۲۲۔ القرآن،الاحزاب،۲۱

۲۳۔ القرآن،النساء،۵۹

۲۴۔ القرآن،النساء،۶۵

۲۵۔ القرآن،الاحزاب،۳۶

۲۶۔ علامہ محمد اقبالؒ،اسرار ورموز

۲۷۔ القرآن،الحجرات،۱

۲۸۔ مولانا مودودی،تفہیم القرآن،جلد ۵،ص ۷۰

۲۹۔ القرآن،الحجرات،۲

۳۰۔ تفہیم القرآن،ج،۵،ص۷۲

۳۱۔ القرآن،الحجرات،۳

۳۲۔ القرآن،المائدہ،۲۷

۳۳۔ القرآن،الحجرت،۵۔۴

۳۴۔ القرآن،الاحزاب،۵۳

۳۵۔ القرآن،النورہ،۶۳

۳۶۔ تفہیم القرآن،ج ۳،ص ۴۲۷

۳۷۔ القرآن،الرحمٰن،۶۰

۳۸۔ القرآن،الاحزاب،۵۷

۳۹۔ شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی:وسائل الشیعہ،کتاب الصوم،چاپ پنجم،۱۹۸۳،مطبع احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان

۴۰۔ صحیح بخاری،کتاب العلم،باب اثم من کذب علی النبی،حدیث ۱۰۶

۴۱۔ القرآن۔الاحزاب،۵۶

۴۲۔ تفہیم القرآن ج ۴،۱۲۴

۴۳۔ تفہیم القرآن ج ۴،ص ۱۲۷

۴۴۔ الشیخ محمد حسن نجفی،جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام،ج ۱۰،ص ۲۵۳،
چاپ دار احیاء التراث،العربی،بیروت،لبنان

۴۵۔ تفہیم القرآن ج ۴،۱۲۷ ۴۶۔ صحیح بخاری،کتاب احادیث الانبیاء،ح:۳۳۷۰

☆☆☆☆☆

عصمت پیغمبر ﷺ پر قرآنی شواہد

محمد اصغر عسکری☆

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم رکن انبیاءؑ کے معصوم ہونے کا عقیدہ ہے۔ طول تاریخ میں ہمیشہ اس موضوع پر گفتگو و بحث ہوتی رہی ہے۔ اور انسانیت کے ان روشن میناروں اور بشریت کے ان عملی نمونوں میں لوگوں نے ہمیشہ عیب جوئی کی کوشش کی ہے جن لوگوں میں ان بلند و بالا ہستیوں تک پہنچنے کی طاقت اور ہمت نہیں تھی انہوں نے ہمیشہ ان نورانی ستاروں کو بلند و بالا مقام سے نیچے لانے کی کوششیں کی ہیں۔

اس بحث کی اہمیت کے لئے فقط یہ جاننا کافی ہے کہ انبیاءؑ کی عصمت کے بغیر دینی عقائد میں ایسی دراڑیں پیدا ہو جائیں گی کہ جن کو کبھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔

اگر انبیاءؑ کو عام لوگوں کی طرح خطا کار و لغزش کرنے والا جان لیں تو نہ آسمانی کتب پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ خالق و مخلوق کے درمیان کسی موثق واسطے کو ثابت کیا جا سکتا ہے، اور نہ انبیاءؑ کا قول و فعل ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے، پس ان ہستیوں کے بارے میں معمولی سا اور ضعیف احتمال خطا بھی اسلام کے بنیادی عقائد کو ختم کر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں مقصد خلقت فوت ہو جائے گا اور انسان کے اس سفر کمال کو طے نہیں کیا جا سکے گا اور نتیجتاً جہالت و گناہ کی تاریکی اس عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ پس توحیدی ادیان، آسمانی کتب اور انبیاؑ کی تعلیمات کو ثابت کرنے کے لئے ایسے موثق ذرائع کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ جو ہر قسم کی خطا و لغزش سے پاک ہوں تا کہ عبد و معبود کے درمیان اتصال کا سلسلہ قائم ہو سکے یہی وجہ ہے کہ دینی عقائد میں تمام انبیاء اور بالخصوص پیغمبر اکرم ﷺ کی عصمت کی بحث بہت ضروری اور نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

مسئلہ عصمت کو سب سے پہلی مرتبہ شیعہ متکلمین نے بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آئمہؑ کو معصوم ثابت کرنے کے لئے انبیاء کی عصمت کی بحث کی ہے۔[1]

قرآن میں یہ صفت (عصمت) ملائکہ کے بارے[2] اور خود قرآن کے بارے میں بھی استعمال ہوئی ہے۔[3]

☆ مسئول شعبہ اجتماعیات، نورالہدیٰ ٹرسٹ، بہارہ کہو، اسلام آباد

اس مختصر تحریر میں پیغمبر اکرم ﷺ کی عصمت کے متعلق قرآنی شواھد کو بیان کیا گیا ہے:

ابتدا میں خود عصمت کا معنیٰ واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن میں یہ کلمہ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے لفظ عصمت اپنے تمام مشتقات سمیت تیرہ مرتبہ قرآن میں آیا ہے، اگر چہ لغت میں یہ کلمہ ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہُوا ہے اور وہ تمسک و پکڑنے کا معنیٰ ہے۔[۴]

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲ میں ارشاد ہوا ہے

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا''[۵]

''خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور بکھر نہ جاؤ۔''

کبھی کلمہ عصمت ایسی چیز کہ جو حفاظت والا پہلو رکھتی ہے کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے پہاڑوں کی بلندی کو عصمت کہا جاتا ہے، اور لغت عرب میں ایسی رسی جس سے سامان کو باندھا جائے عصام کہتے ہیں۔ کیونکہ اس رسی کی وجہ سے سامان بکھرنے سے بچ جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ بحر حال عقائد میں اس کلمے سے مراد خدا کے بعض صالح بندوں کا گناہ اور اشتباہ سے بچنا اور محفوظ رہنا ہے۔

معروف شیعہ متکلم علامہ فاضل مقدادؒ فرماتے ہیں :

عصمت خدا کی طرف سے مکلّف کے لئے ایک ایسا لطف ہے کہ جس کے ہوتے ہُوئے اطاعت کو ترک کرنے اور معصیت کو انجام دینے کا محرک ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ قدرت واختیار کے ہوتے ہوئے۔[۶]

اور عدلیہ کا نظریہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے اگر چہ اشاعرہ نے عصمت کی تعریف میں اطاعت خدا اور معصیت خدا پر قدرت اور عدم قدرت کی بحث کی ہے جو یہاں ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔[۷]

البتہ موضوع سے متعلق چند نکات کی وضاحت ضروری ہے۔

(۱) پیغمبر ﷺ کے معصوم ہونے کا مطلب فقط گناہوں کو ترک کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک عام فرد سے بھی ممکن ہے کہ بعض حالات میں وہ گناہ نہ کرے لیکن اس کے اندر گناہ نہ کرنے کا ملکہ نہ پایا جائے۔ جیسے بلوغ سے پہلے ایک بچہ دنیا سے چلا جائے اور کسی خطا کا مرتکب نہ ہو۔ یا ایک ایسا شخص کہ جسے دور افتادہ علاقے میں قید کر دیا جائے اور اس کے لئے گناہ کرنا ممکن ہی نہ ہو۔

لیکن ایسے افراد کے لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ملکہ عصمت رکھتے ہیں جس شخص نے ساری زندگی شراب دیکھی تک نہ ہو اور نہ پی ہو اس کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معصوم ہے۔ بلکہ معصوم سے مراد ایک ایسا فرد ہے جو طاقتور نفسانی ملکہ رکھتا ہو کہ جو سخت ترین حالات میں بھی جہاں گناہ کے تمام شرائط بھی موجود ہوں تب بھی کوئی خطا ولغزش نہ کرے ایک ایسا ملکہ جو مکمل طور پر گناہ کی خرابیوں سے آگاہی رکھتا ہو اور چونکہ ایسا ملکہ خداوند متعال کی خاص عنایت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا لہذا اس کا حقیقی فاعل اگر چہ خدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ فرد معصوم بھی اختیار رکھتا ہے۔[۸]

(۲) عصمت پیغمبر ﷺ سے مراد دونوں طرح کی عصمت ہے یعنی عصمت علمی بھی اور عصمت عملی بھی کیونکہ فرق ہے عصمت علمی اور عصمت عملی۔ میں ایک عام انسان ممکن ہے اچھے بُرے کا علم رکھتا ہو، اس کے اندر اچھائی برائی کی تشخیص دینے کا ملکہ موجود ہو، لیکن اس پرعمل نہ کرے تو اس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ عصمت علمی رکھتا ہے، لیکن عصمت عملی نہیں ہے اور اسی طرح ایک اور شخص ممکن ہے اچھے بُرے کا ادراک نہ رکھتا ہو مگر عمل کے میدان میں سالم ہو اور گناہوں سے محفوظ ہو۔ تو اس کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ عصمت رکھتا ہے۔[۹]

(۳) عصمت یا نسبی ہوتی ہے اور یا عصمت مطلق ہوتی ہے۔ نسبی سے مراد بعض موارد اور بعض حالات میں معصوم ہونا۔ ممکن ہے ایک فرد بعض گناہوں کی نسبت معصوم ہو اور وہ گناہ انجام نہ دے۔ پیغمبر ﷺ کی عصمت سے مراد ہرگز عصمت نسبی نہیں ہے بلکہ مطلق عصمت مراد ہے۔ پیغمبر ﷺ کی عصمت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں بعض قائل ہیں کہ نبیؑ بعثت سے قبل اور بعد گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔[۱۰]

البتہ یہ نظریہ بہت کمزور اور قابل بحث ہے معتزلہ کے بعض اسلاف قائل ہیں کہ بعثت سے پہلے نبی گناہ کبیرہ انجام دے سکتا ہے مگر بعد از بعثت ممکن نہیں ہے۔[۱۱]

بعض دیگر فرقے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کو نہ قبل از بعث اور نہ بعد از بعثت جائز سمجھتے ہیں اور قائل ہیں کہ ایسے گناہان صغیرہ جو فقط نفرت کا باعث ہوں، نبیؑ کے لئے ان کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اشاعرہ ایسے گناہوں کو جو انجام دینے والے کی پستی کا موجب بنیں جائز نہیں سمجھتے (جیسے چوری کرنا) ایسے گناہ بعثت کے بعد عمداً و سہواً جائز نہیں ہیں۔[۱۲]

شیعہ اثنا عشریہ کا نکتہ نظریہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ کبیرہ وصغیرہ عمداً و سہواً بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد کسی صورت میں جائز نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے ان اجمالی نظریات جاننے کے بعد اب آیئے دیکھتے ہیں قرآن نے عصمت پیغمبرؐ کے حوالے سے کیا راہنمائی کی ہے؟

قرآن میں عصمت کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں، ان میں سے بعض مرحلہ ابلاغ رسالت کو بیان کرتی ہیں اور بعض پیغمبر ﷺ کے عصیان واشتباہ (نعوذ اللہ) پر ناظر ہیں۔ سورہ ص آیت نمبر ۸۲۔۸۳ میں خداوند متعال نے قول شیطان کو نقل کیا ہے:

''فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّاعِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ''

''شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم میں سب انسانوں کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندے''

اس آیت میں لفظ مخلَص آیا ہے تو سب سے پہلے مخلِص اور مخلَص کا فرق واضح ہونا چاہیے مخلِص باب افعال کا اسم فاعل ہے، اخلاص مصدر سے۔ مخلِص ایسے فرد کو یا ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس نے اپنے عمل اور عقیدے کو خدا پر ایمان کے راستے میں خالص کر دیا ہو۔ اور مخلَص باب افعال کا اسم مفعول ہے یعنی ایسا فرد یا چیز جس کو کسی اور نے خالص کیا ہو۔

لہذا مخلَصین یعنی ایسے افراد کہ خدا کی مدد ولطف سے جن کا سراپا وجود خدا کیلئے خالص ہو جائے لہذا شیطان ہرگز ان پر مسلط نہیں ہوسکتا، دعائے ندبہ میں بھی خدا کے اولیاء کے لیے یہی تعبیر آئی ہے۔

''اولئک الذّین اسْتَخْلَصّتھُمْ لِنفسکَ و دِینکَ''

''تیرے وہ اولیاء جن کو تو نے اپنے لیے اور تیرے دین کے لیے خالص کیا ہے''

اس آیت میں کلمہ مخلص کا سب سے بڑا مصداق معصوم ہے اگر چہ یہ معصوم سے مختص نہیں ہے یہ تعبیر اگر چہ نبیؑ سے مختص نہیں ہے مگر اس میں بھی کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے کہ اس کا مظہرِ کامل نبی ﷺ ہیں کہ جو ہرگز نفس اور شیطان کی پیروی نہیں کرتے ان مذکورہ دو آیتوں کے مشابہہ ایک اور آیت بھی ہے سورہ حجر آیت نمبر۴۲ میں ارشاد ہوا

''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ''

خدا نے شیطان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

'' تو ہرگز میرے بندوں پر تسلط نہیں رکھ سکے گا''

قرآن کی بعض دیگر آیات میں ان مخلَصین کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عبادی یا عبادنا سے مراد کون ہیں؟ ان آیات میں انبیاء ÷ میں سے چند نبیوں کا نام لیا گیا ہے۔ سورہ یوسف آیت نمبر۲۴ میں حضرت یوسفؑ کو مخلَص کہا گیا ہے سورہ مریم ۵۱ میں حضرت موسی -کے بارے میں یہی تعبیر آئی ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت کسی ایک نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقام و منصب نبوت کا لازمہ ہے۔ قرآن کی بعض دیگر آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ پیغمبر ﷺ کی عصمت پر شاھد ہے۔ جیسے

'' اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ''[۱۳]

''اطاعت کرو اللہ کی رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان اُمر ہیں ان کی''

اسطرح کی دیگر آیات بھی موجود ہیں جن میں پیغمبرؐ کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں پیغمبر اسلامؐ کی مطلق اطاعت کا حکم دینا ان کے معصوم ہونے پر سب سے بڑا شاھد ہے۔ کیونکہ یہ آیات پیغمبر ﷺ کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم دیتی ہیں اور جب کسی کی اطاعت کسی خاص وقت اور فعل سے مقیدً نہ ہو تو اس کا ہر قول وفعل قابل اطاعت ہوگا اور اس کے ہر قول وفعل کا قابل اطاعت ہونا دلیل ہے کہ وہ ہر قسم کی خطاء سے پاک ہے کیونکہ اگر فرض کریں پیغمبرؐ خطا اور گناہ کرنے والے ہوتے، تو محال ہے، خدا ان کی اطاعت کا حکم دے۔ پس معلوم ہوا پیغمبرؐ کے اعمال و کردار خدا کے دستور کے مطابق ہوتے ہیں۔ بہر حال قرآن کی بہت سی آیات پیغمبر ﷺ کو معصوم اور قابل اطاعت جانتی ہیں بعض آیات پیغمبرؐ کے درست تلقیِ وحی پر ناظر ہیں اور بعض مقام ابلاغ رسالت میں عصمت پر دلیل ہیں۔

سورہ جن کی آیت نمبر ۲۶ - ۲۸ میں ارشاد ہوا:

''عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا Oاِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ

یَسۡلُکُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَمِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًاOلِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ وَاَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًاO''

''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تا کہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے''

اس آیت میں (ارتضیٰ) اور یسلک کا فاعل خداوند متعال ہے۔ من بین یدیہ ومن خلفہ یعنی سامنے سے اور پیچھے سے خدا نے محافظ قائم کیے ہوئے ہیں اس جملے کی تفسیر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے قلب مطہر کے اطراف میں خدا نے محافظین قائم کیے جو ہر قسم کے عامل تخریب کو روکتے ہیں نہ شیطان اس میں نفوذ کر سکتا ہے اور نہ نسیان آ سکتا ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملے سے مراد یہ ہو کہ دریافت وحی کے وقت پیغمبر ﷺ کی دو حالتیں ہوتی تھیں ایک حالت یہ ہوتی تھی کہ پیغمبرؐ مقام ربوبی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ من بین یدیہ اسی کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اس رسالت کو ابلاغ کرتے وقت لوگوں کی طرف رخ کرتے تھے اور مقام ربوبی کی طرف پشت ہو جاتی تھی۔ ومن خلفہ اس دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ خداوند متعال جب وحی کرتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کو مامور کرتا ہے تا کہ وہ دریافتِ وحی، حفاظت وحی اور ابلاغِ وحی کے تمام مراحل میں نبی ﷺ کی حفاظت کریں تا کہ وہ کسی قسم کے اشتباہ وخطا سے دوچار نہ ہوں۔

سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے۔

''وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ وَرَحۡمَتُہٗ لَہَمَّتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَہُمۡ........''

''اور (اے رسولؐ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا حالانکہ وہ خود کو ہی غلطی میں ڈالتے تھے اور وہ آپ کا تو کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان باتوں کی تعلیم دی جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے''

مفسرین نے اس آیت کے متعدد شانِ نزول بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کے کسی صحابی کی زرہ چوری ہوگئی زرہ والے مالک نے کسی پر چوری کا گمان کیا تو جب چور کو خطرہ محسوس ہونے لگا تو اس نے زرہ کو ایک یہودی کے گھر میں پھینک دیا اور اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ پیغمبرؐ کے پاس جائیں اور میری بے گناہی کی گواہی دیں اور بتائیں کہ وہ زرہ ایک یہودی کے گھر میں ہے۔ لوگوں نے یہودی کو چور سمجھ لیا اور جس نے چوری کی

تھی اس کو بے قصور ٹھہرانے لگے اس دوران پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی، خدا نے سارا واقعہ اور حقیقت سے اپنے حبیب کو آگاہ کر دیا۔ اور پھر یہ آیت نازل ہوئی اگر خدا کا فضل اور رحمت شامل حال نہ ہوتی تو لوگ خلاف واقع عمل کر کے رسول کو بہکانے کی کوشش کر رہے تھے (علّمک) سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے کتاب وحکمت کے علاوہ بھی تعلیم کے لیے رسول خدا ﷺ کے پاس خصوصی ذرائع موجود تھے جن کی وجہ سے رسول خدا ﷺ علم ومعرفت اور کشف حقائق کی اس منزل پر فائز تھے کہ جن کے بعد خلاف عصمت کسی غلطی کے سرزد ہونے کا امکان نہیں رہتا چنانچہ علم ویقین کا نتیجہ عصمت ہے، البتہ علم ویقین حاصل ہونے کے بعد عصمت قائم رکھنے پر مجبور بھی نہیں ہوتے بلکہ یہاں عزم وارادہ نفس کی پاکیزگی اور محبت الٰہی کی وجہ سے اپنے اختیار سے عصمت پر قائم رہتے ہیں، اسی وجہ سے معصوم کی عصمت اس کے لیے باعث فضلیت ہے۔

سورہ الحاقہ آیات ۴۴ تا ۴۷ میں فرمایا:

''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيْلِ ......''

''اگر وہ (نبی) تھوڑی سی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا''

سورہ یونس میں ارشاد ہوا:

''وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّ لَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ''

''اور جب انہیں ہماری آیات کھول کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آ ؤ یا اسے بدل دو کہہ دیجیے مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں''

مخالفین عصمت پیغمبر اسلام نے چند آیات قرآنی کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے آیئے ان آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کیا یہ آیات پیامبر اسلام ﷺ کی عصمت کے خلاف کوئی شاہد بن سکتی ہیں یا نہیں؟ خداوند متعال نے سورہ ضحیٰ میں فرمایا ہے!

''وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰى ''

اس آیت میں خدا نے پیغمبر اکرم ﷺ کو ایک فرد ضال کہا ہے اور یہ پیغمبر ﷺ کی جوانی اور بعثت سے پہلے کے

بارے میں فرمایا:

''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیمًا فَاٰوٰی وَوَجَدَکَ ضَآلًا فَهَدٰی وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی''

''اے رسول کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی اور اس نے آپ کو ضال (ناواقف) پایا تو راستہ دکھایا''

استدلال کرنے والوں نے ضال کا معنیٰ گمراہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ضال کو ھدیٰ کے مقابلے میں لایا گیا ہے جو دلیل ہے کہ اس ضال سے مراد گمراہی ہے، اور گمراہی یعنی؛ دینی امور میں گمراہی جو کہ عصمت سے منافات رکھتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ضال لغت عربی میں تین معانی میں استعمال ہوتا ہے، گمراہ گمنام اور گمشدہ اگر ضال بمعنی گمراہ ہو جیسا کہ استدلال کرنے والوں نے یہی معنی مراد لیا ہے اور سورہ فاتحہ کی اس آیت کو بھی شاہد کے طور پر پیش کیا ہے کہ

'غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ '

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضال کے دو استعمال ہیں

(۱) تاریکی دل جو کفر وشرک یا گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

(۲) فاقد ہدایت عدمی ہے جیسے ایک بچہ جس کی زندگی کی ابھی چند بہاریں گذری ہوں وہ فاقد ہدایت ہوتا ہے، اور زندگی کے اس حصے میں فاقد ھدایت ہونا کوئی برائی نہیں ہے اور اس آیت میں ضال اس معنیٰ میں ہے، نہ کہ وہ گمراہی جو دل کی سیاہی کا نتیجہ ہو، اور اس مطلب پر شاہد یہ ہے کہ ان آیات میں خداوند متعال نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے حبیب کو عطا کی ہیں، فرمایا تم بچپن میں یتیم ہو گئے تھے ہم نے تمہیں پناہ دی یعنی؛ عبدالمطلب اور ابو طالب کے ذریعے تمہاری پرورش کی، اور زندگی کی ابتدا میں تم فاقد ھدایت تھے کیونکہ کوئی بھی موجود بالذات کمالات کا حامل نہیں ہوتا، بلکہ جو بھی وہ کمال حاصل کرتا ہے وہ خدا سے لیتا ہے اور اگر خدا کا لطف نہ ہوتا تو کوئی بھی انسان راہ ہدایت کو نہ پہنچتا اسی مطلب کو خدا نے قرآن میں بیان کیا ہے۔

''رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ''القرآن، طٰہٰ آیت نمبر ۵۰

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی''

لہذا خداوند متعال نے ابتدا سے ہی ہر موجود کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے، سورہ ضحیٰ کی اس آیت میں ضال سے مراد ایسی ہدایت کا فقدان ہے اور یہ عصمت کے منافی نہیں ہے۔

پس ضلالت سے مراد ابتدائی زندگی میں ہدایت کا فقدان ہے اور فہدیٰ سے مراد تکوین وتشریعی ہدایت ہے دوسری آیت جس کو شاہد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔شوریٰ آیت ۵۲ ہے ارشاد ہوا:

''وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ

اِلَی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ''

''اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں''

مخالفین عصمت نے اس آیت میں 'ماکنت تدری ما الکتب و لا الا یمان ' کو شاہد بنایا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام وحی سے 'قبل فاقد ایمان' تھے اور وحی کے بعد آپ ایمان لائے اور جو اپنی زندگی کے کسی حصے میں ایمان نہ رکھتا ہو وہ کیسے معصوم ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس سوچ کے حامل افراد پہلے کوئی نظریہ قائم کرتے ہیں پھر دلیل کو ڈھونڈتے ہیں ورنہ اس آیت میں اس طرح کی دیگر آیات میں معمولی سے غور وفکر سے بھی آیت کے مطلب کو سمجھا جا سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ 'ما کنت تدری ' اور 'ماکان ' کے جملے عرب ایسی جگہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں کسی چیز سے اس کے امکان کی نفی کی جائے قرآن نے بھی یہ جملے ایسی ہی جگہ استعمال کیے ہیں شاہد کے طور پر قرآن کی یہ آیات پیش ہیں، (آل عمران ۱۴۵، آل عمران ۱۶۱، توبہ ۱۷) لہذا آیت مورد بحث میں بھی حقیقت میں اسی امکان کی نفی ہوتی ہے 'ماکنت تدری ماالکتاب و لا ایمان ' سے مراد یعنی اے رسول ﷺ اگر ہم آپ پر وحی نازل نہ کرتے تو کتاب سے آگاہی اور ایمان لانا تیرے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ سورہ ھود آیت نمبر ۴۹ میں بھی 'ماکنت تعلمھا ' اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی؛ اگر ہم وحی نہ کرتے تو اے رسول ﷺ آپ اس کتاب کے بارے میں کچھ نہ بھی نہ جان سکتے۔

پس مخالفین عصمت نے اپنے زعم باطل کی بنیاد پر ان آیات کو عصمت پیغمبر اسلام کے منافی جانا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور واضح ہو گیا کہ یہ آیات کسی حوالے سے بھی رسولِ خدا ﷺ کی عصمت کے منافی نہیں ہیں۔

اگر چہ یہ بحث نامکمل ہے کیونکہ مخالفین عصمت پیغمبرؐ نے اور بھی آیات کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن یہ موضوع ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے لہذا یہاں پر بحث نہیں کرتے۔

اس مقالے کے آخر میں سہو نبی کے بارے بحث کرنا ضروری ہے تاکہ بحث مکمل ہو جائے اشاعرہ اور معتزلہ جو پیغمبرؐ کے لیے گناہ صغیرہ کو سہواً جائز سمجھتے ہیں اس مسئلہ میں بھی سھو نبی کے قائل ہیں اور اس سھو سے مراد امور شرعی کی تطبیق میں خطا ہو جیسے نماز کی رکعات میں بھول جانا۔

یا امور شخصی و مادی میں خطا ہو جیسے پیغمبر ﷺ کسی کا قرضہ دینے میں اشتباہ کریں، اشاعرہ اور معتزلہ سھو کی ان دونوں قسموں کو پیغمبرؐ کے لیے جائز سمجھتے ہیں جب کہ شیعہ امامیہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ نبی سھو نہیں کر سکتا۔

شیخ بہائیؒ کو جب کسی نے کہا کہ شیخ صدوق سہو نبی کے قائل ہیں تو انہوں نے خوبصورت جملہ فرمایا:

''سهو ه فی سهو النبی ''

یعنی شیخ صدوق نے سہو نبی والے مسئلے میں خود سہو کیا ہے۔[۱۴]

بہر حال علماء شیعہ کی واضح اکثریت جیسے شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ محقق حلیؒ، علامہ حلی خواجہ نصیر الدین طوسیؒ شہید اولؒ، فاضل مقدادؒ، شیخ حر عاملیؒ، علامہ مجلسیؒ، سہو نبی کو جائز نہیں جانتے۔اور واضح کیا ہے کہ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا نبی پر اعتماد باقی نہیں رہے گا اور لوگوں کے درمیان نبی کے بارے نفرت پیدا ہو جائے گی، اور نبی کا کردار و گفتار قابل عمل نہیں رہیں گے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ÷ اور بالخصوص سید الانبیاء پیغمبر گرامی اسلام ان قرانی آیات کی روشنی میں دریافت وحی، حفاظت و ابلاغ وحی اور علم و عمل کے تمام مراتب میں معصوم ہیں، اور عمداً اور سہواً ہر قسم کی خطا سے پاک ہیں۔

☆☆☆☆☆

خُلِقتَ مُبرَّاً مِنْ کُلِّ عَیبٍ
کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقتَ کَمَا تَشَآءُ

حوالہ جات

۱۔ عقیدۃ الشیعہ

۲۔ القرآن، التحریم، ۲

۳۔ القرآن، الفصلت، ۴۲

۴۔ مقاییس اللغۃ، ج ۴، ص ۳۳۱، ابوالحسین احمد بن فارس

۵۔ القرآن، آلعمران، ۱۰۲

۶۔ فاضل مقداد، ارشاد الطالبین، ص ۳۰۱

۷۔ السید الشریف علی بن محمد جرجانی، شرح المواقف ج ۸، ص ۲۸۰

۸۔ آموزش عقائد، مصباح یزدی، درس ۲۴

۹۔ جوادی، آملی، تفسیر موضوعی قرآن، ج ۹، ص ۵

۱۰۔ فرقہ حشویہ

۱۱۔ قاضی عبدالجبار معتزلی، شرح اصول الخمسہ، ص ۵۷۵

۱۲۔ شرح تجویدالاعتقاد، فاضل قوشجی، ص ۴۶۴

۱۳۔ القرآن، الاحزاب، ۱

۱۴۔ الھیات ج ۲، ص ۱۸۰، حسن بن محمد مکی

☆☆☆☆☆

نبی مکرم ﷺ حضرت ابوطالب۔ کی کفالت میں

آفتاب حسین جوادی ☆

تمام روئے زمین کے قبائل وشعوب میں سے قریش کو ہر لحاظ سے امتیازی حیثیت حاصل ہے اور پھر قریش سے خاندان بنو ہاشم باعتبار نسب تمام اہل عالم سے افضل واعلیٰ ہے جو ملت ابراہیم -کا امین چلا آرہا تھا نیز خانہ کعبہ کی تولیت کے شرف کے باعث ایک عظمت کا حامل بھی تھا اور بنو ہاشم کی فضلیت کا راز نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے چنانچہ اس سلسلہ میں کتب احادیث میں بکثرت روایات پائی جاتی ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا۔

> ''قلّبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد احداً افضل من محمد صلی الله علیه وآله وسلم وقلبت الارض ومشارقها ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم''
>
> ''میں نے زمین کے مشارق مغرب کو الٹا پلٹا کیا ہے مگر کسی شخص کو حضرت محمد ﷺ سے افضل نہیں پایا اور میں نے مشارق ومغرب کی گردش کی لیکن کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا''

اللہ تعالیٰ نے اسی معزز ترین خاندان میں سے بنی مکرم حضرت محمد ﷺ کو منتخب کیا ہے جو بشارت حضرت موسیٰ - کا مدعا اور نوید حضرت عیسیٰ -کا مقتضا، وحدت کا معلم اور نبوت کا خاتم بن کر تشریف لائے۔ جب کہ سایہ پدری بھی اُٹھ چکا تھا آپ کے دادا حضرت عبد المطلبؑ اس نور علیٰ نور کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس کی عطا پر شکر ادا کرتے، کافی دیر کھڑے رہے آپؐ جب چھ برس کے ہوئے تو والدہ محترمہ بھی انتقال فرما گئیں، آپؐ اپنے دادا جان کے ساتھ رہے جو سردار بنی ہاشم تھے جن کے لیے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا اور ان کے فرزندان اس کے اطراف میں بیٹھتے، اپنے والد بزرگوار کی عظمت کے پیش نظر فرش پر کوئی نہ بیٹھتا تھا، لیکن حضور

☆محقق، مؤلف، اُستاذ جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

نبی کریم ﷺ جب تشریف لاتے تو وہ اپنے دادا جان کے ساتھ فرش پر بیٹھ جاتے ،آپ کو ہٹانے کے لیے جب کوئی شخص پکڑتا تو حضرت عبدالمطلب -فرماتے کہ ایسی جسارت مت کرو،خدا کی قسم یہ تو بڑی شان والا ہے اور پھر آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے ،حضرت عبدالمطلب - کے موحد ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ جب ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تو اس کے لشکری حضرت عبدالمطلب - کے اونٹ پکڑ کر لے گئے ۔حضرت عبدالمطلب ۔کو جب یہ اطلاع دی گئی تو آپ اپنے اونٹ واپس کرانے کے لیے ابرہہ کے خیمے کی طرف روانہ ہوئے ،ابرہہ نے دور سے دیکھا کہ قریش کے سب سے معزز خاندان بنو ہاشم کے سردار جو خانہ کعبہ کے کلید بردار بھی ہیں، آرہے ہیں اور وہ یقیناً خانہ کعبہ سے محاصرہ اٹھانے کا مطالبہ کریں گے ،لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا کہ عبدالمطلب نے جب اپنے اونٹ واپس لینے کا مطالبہ کیا تو ابرہہ حیران ہوکر بولا :

''اے سردار بنو ہاشم آپ اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ تو لے کر آ گئے مگر خانہ کعبہ کے متعلق کوئی بات ہی نہیں کی''

حضرت عبدالمطلب - نے فرمایا کہ اونٹ میرے ہیں،جس کے لیے میں آیا ہوں،خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا ہے میرا نہیں ۔

حضرت عبدالمطلب ۔کا یہ جواب آپ کے ایمان بالتوحید پر واضح دلیل ہے جس پر سورہ فیل شاہد ہے کہ ہاتھیوں کے اس لشکر کو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں سے کنکریاں مروا کر تباہ کیا اور یہ اس طبقے کے لیے بھی دعوت فکر ہے جو حضور ﷺ کے آباء واجداد کے ایمان کا قائل نہیں ،حضور نبی کریم ﷺ نے ابھی آٹھویں سال میں ہی قدم رکھا تھا کہ حضرت عبدالمطلبؑ رحلت فرما گئے اور وقت آخر اپنے فرزندوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو حضرت ابو طالب - کی کفالت میں دے دیا چنانچہ اس سلسلہ میں علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکہ لکھتے ہیں :

> **''فان ابا طالب رباه صغیراً و آواه کبیراً ونصره وقره وذب عنه ومدحه بقصائد غرر رضی باتباعه ''**[1]
>
> ''بے شک حضرت ابوطالب - نے نبی کریم ﷺ کی بچپن میں پرورش کی اور آپ کو بڑی عمر میں ٹھکانا دیا اور آپ کو عزت ووقار دیا، آپ سے دشمنوں کی تکالیف کو دور کیا اور بہت سے شاندار قصیدوں میں آپ کی تعریف فرمائی اور آپ کے متبعین کی بھی عزت کی اور سے راضی رہے''

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں حضرت ابوطالب کے تذکرہ میں واشگاف الفاظ میں لکھا

> **''ولما مات عبد المطالب اوصی محمد ﷺ فکفله واحسن تربیته وسافر به صحبته الی الشام وهو شاب ولما بعث قام فی نصرته وذب عنه من عاداه مدحه عدته مداح منهما قوله استسقی اهل مکه فتسقوا وابیض یستقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمته للارامل ومنها قوله من قصیدة وشق له من اسمه لیجعله فذو العرش محمود هذا محمد ''**

''جب حضرت عبدالمطلب ـ کا وقت انتقال آیا تو انہوں نے حضرت ابوطالب ـ کو محمدؐ کے لیے وصیت فرمائی، حضرت ابوطالب - نے آپ کی کفالت فرمائی اور بہترین تربیت کی اور شام کے سفر کو تشریف لے گئے تو آپ کو اپنے ساتھ رکھا، یہاں تک کہ آپ جوان ہو گئے اور پھر جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو ابوطالب - آپ کی نصرت وحمایت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کی مدح وتعریف میں کئی قصائد انشاء فرمائے ان کا ایک شعر یہ ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کے صدقہ سے اہل مکہ کو بارش نصیب ہوئی، اور وہ گورے رنگ والے جن کے چہرہ انور کے صدقہ سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان ہیں، اور آپ کے قصیدے کا ایک شعر یہ ہے

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا پس وہ عرش پر محمود ہے اور یہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)[2]

یہی بات علامہ سید الناس متوفی ۳۴ے ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر''، جلد اول، ص ۹۷ مطبوعہ بیروت'' میں لکھی ہے کہ جب آپ کی والدہ محترمہ کا وصال ہوا تو آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب - آپ کے کفیل ہوئے، جب آپ آٹھ برس دو ماہ دس دن کے ہوئے تو آپ کے دادا جان انتقال فرما گئے پھر آپ کے چچا جان حضرت ابوطالب نے آپ کی کفالت فرمائی۔

مشہور مفسر علامہ شیخ محمد شربینی الخطیب اپنی تفسیر میں سورہ والضحیٰ کی آیت مبارکہ ''اَلَمْ یجوک یتیماً فاوٰی '' کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

''ای بان ضمک الی عمک ابی طالب فاحسن تربیتک''

''یعنی نبی کریم ﷺ کو حضرت ابوطالبؑ کی آغوش میں دے دیا تو انہوں نے آپ کی بہت اچھے طریقے سے تربیت فرمائی''[3]

علامہ فخر الدین الرازی مذکورہ بالا آیت مجیدہ، کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

''وکان عبد المطلب یوصی اباطالب به لان عبدالله وابا طالب کان من ام واحده فکان ابو طالب هو الذی یکفل رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ''

''حضرت عبدالمطلب نے جناب ابوطالب کو رسول ﷺ کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی کیونکہ حضرت ابوطالب - اور حضرت عبداللہ - (والد پیغمبر ﷺ) دونوں ایک ہی ماں کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے تھے اور حضرت ابوطالب - وہ ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی کفالت فرمائی تھی''[4]

حبر الامت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''یتیماً بلا أ ب ولاام فاوی فاواک الی عمک ابی طالب''

''بغیر ماں باپ کے فاویٰ، آپ کو ان کے عم محترم ابوطالب کی آغوش عطا فرمادی''[5]

حافظ ابن کثیر الدمشقی لکھتے ہیں:

''وله العمر ثمان سنين فكفله عمه ابو طالب ثم لم يزل يحوطه وينصره والا حوى ويرفع من قدره ويوقره ويكف عنه اذى قومه ''

''آپؐ کی عمر مبارک اس وقت آٹھ برس تھی جب آپؐ کے عم محترم ابو طالب نے ان کی کفالت فرمائی حضرت ابو طالبؑ ہمیشہ نبی مکرم ﷺ کا احاطہ کیے رہے اور آپ کی نصرت وحمایت کرتے رہے اور آپ کو ہر اس چیز سے بچاتے رہے جو آپ کی عزت و توقیر پر حرف لانے والی ہو اور ہر حال میں ان (کفار مکہ) کی اذیتوں سے آپ کو بچاتے رہے۔[6]

عظیم مفسر علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن بھامش تفسیر ابن جریر پ۳۰،ص۱۰۹ مطبعۃ بولاق مصر ۱۳۲۹ھ میں مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے ذیل میں یوں صراحت کرتے ہیں۔

''فكفل ابو طالب رسول الله ﷺ الى ان اتبعته اللّٰه للرسالة فقام بنصرته مدت مديدة وعطفه الله عليه فاحسن تربيته''

''حضرت ابو طالب۔ نے رسول ﷺ کی کفالت فرمائی حتی کہ آپ کی بعثت کا وقت قریب آگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت پر متمکن فرمادیا، اس طویل عرصے میں حضرت ابو طالب۔آپ کی نصرت کرتے رہے اور ان کی زیر کفالت اللہ تعالیٰ اپنے (رسولؐ) کی بہترین تربیت فرماتا رہا''

علامہ جمال الدین یوسف ابن المبرد متوفی ۹۰۹ھ، نے اپنی بیش بہا تصنیف ''الشجرۃ النبویۃ فی نسب خیر البریہ، ص۱۱۷،۱۲۲،۱۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ میں بالتصریح تحریر کیا ہے کہ حضرت عبد المطلبؑ نے وصیت کی تھی کہ محمد ﷺ کی کفالت حضرت ابو طالبؑ کریں اور انہوں نے ہی آپؐ کی کفالت و پرورش کی ہے۔

بعینہا یہی صراحت بہت سی مستند کتب میں دیکھی جاسکتی ہے چند ایک کے نام یہ ہیں،

(۱) شرف المصطفیٰ للحافظ عبد الملک بن ابی عثمان الخرکوشی النیشاپوری المتوفی ۴۰۶ھ جلد اول ۳۸۹ھ تا ص ۳۹۱ طبع دار البشائر الاسلامیہ مکہ المکرّمہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

(۲) (لباب التاویل للخازن، ج ۷، ص ۲۱۶ مطبعۃ التقدم مصر، ۱۳۳۲ھ)

(۳) (تفسیر معالم التنزیل للبغوی، ج ۴، ص ۲۳۹، مطبع فتح الکریم بمبئی، ۱۳۰۹ھ)

(۴) تفسیر صاوی علی الجلالین للشیخ احمد الصاوی المالکی، ج ۴، ص ۷۸ ۲ طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر

(۵) تفسیر فتوحات الالھیہ بتوضیح تفسیر الجلالین المعروف بہ جمل، ج ۴، ص ۶۴۴، طبع اکمل المطابع دہلی، ۱۲۸۵ھ

(۶) تفسیر جلالین مع صاوی، ج ۴، ص ۲۷۸

نیز شاہ عبد العزیز دہلوی نے تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰، ص ۲۱۹، ۲۲۰ مطبع محمدی لاہور، ۱۳۰۰ھ میں بھی بالتصریح ذکر

کیا ہے بلاشبہ حضرت ابوطالب- نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق سرور کائنات ﷺ کو اپنی آغوش تربیت میں لیا اور نہایت حسن وخوبی سے وہ تمام فرائض جو ایک مربی کے لیے ضروری ہیں انجام دیئے جس کا اعتراف ہر عہد کے مورخ نے کیا ہے چنانچہ مشہور مورخ محمد بن سعد بصری متوفی ۲۳۰ھ نے واشگاف الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

''کان یحبہ حباً شدیداً لا یحبہ ولدہ وکان لا ینام الا الی جنبہ ویخرج فیخرج معہ و صب بہ ابو طالب صبابیۃ لم یصبّ مثلھا بشی ء قط وکان یخصہ بالطعام''

''حضرت ابوطالب- حضور نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے اور اپنی اولاد سے زیادہ آپؐ کو چاہتے تھے آپ ہی کے پہلو مبارک میں سوتے، جب حضرت ابوطالب- کہیں باہر جاتے تو نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ آپؐ پر فریضتہ وگرویدہ تھے''۔ ۷

حضرت ابوطالب -آپؐ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے کیونکہ انہیں مسلسل یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں کوئی دشمن رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت سوتے ہوئے قتل نہ کردے۔لہذا حضرت ابوطالب۔ کا یہی وطیرہ رہا کہ رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کو ان کے بستر سے اٹھا کر کہیں اور سلا دیتے تھے اور اس جگہ اپنے بیٹے حضرت علی -کو سلا دیا کرتے تھے ایک روز ایسے موقع پر حضرت علی - نے کہا بابا جان! کیا میں یہاں قتل کردیا جاؤں گا۔حضرت ابوطالب -اپنے بیٹے کے اس سوال سے نہایت متاثر ہوئے اور فرمایا بیٹا علی -!! ہم نے تمہیں اس شدید ابتلا کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کا فدیہ بنادیا ہے۔

حضرت ابوطالب- تاجرانہ حیثیت سے ایک قافلے کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہونے لگے تو حضور ﷺ کو اپنے ساتھ ہی ہمسفر رکھا ان کی جدائی گوارا نہ کی ، دوران سفر کے معجزات ، ابر کے ٹکڑے کا سایہ فگن ہونا ، درخت کی ڈالیوں کا آپ پر جھکنا تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں عام ملتا ہے نصرانی راہب کا لات وعزی کی قسم دے کر حضور ﷺ سے یہ کہنا کہ جو بات میں پوچھوں بتائے جائیں اور آپ کا یہ جواب دینا کہ

''لا تسالنی بالات والعزی شیًا فو اللہ ما ابغضت شیًا قط بغضھما''

''لات وعزی کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھ، خدا کی قسم مجھے ان دونوں سے جتنا بغض ہے اور کسی چیز سے کبھی نہیں رہا''

آپؐ کا یہ جواب سن کر وہ ششدر ہو کر رہ گیا پھر اس نے آپ کی پشت مبارک دیکھی دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کا نشان اس مقام پر موجود تھا، جہاں نصرانی راہب کی کتاب میں اُس کا تذکرہ مرقوم تھا، نصرانی نے حضرت ابوطالب- سے دریافت کیا، اس لڑکے کا آپ سے کا رشتہ ہے؟ انہوں نے فرمایا میرا بیٹا ہے راہب نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہوسکتا اس لڑکے کا باپ زندہ نہ ہونا چاہیے، حضرت ابوطالب- نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کا

بیٹا ہےنصرانی راہب نے کہا پھراس کا باپ کہاں ہے۔آپ نے جواب دیا کہ اُن کا انتقال ہو چکا ہے تب راہب نے کہا آپ نے سچ کہا اپنے اس بھتیجے کو لے کر اپنے شہر کو واپس جاؤ اور یہود سے اس کی حفاظت کرو، اگر انہوں نے دیکھ لیا اور وہ سب کچھ جان لیا جو میں نے سمجھ لیا ہے تو وہ اسے ضرور نقصان پہنچائیں گے۔

حضرت ابوطالب-تجارت سے فارغ ہوتے ہی جلد مکہ چلے آئے۔حضور ﷺ اب عالم شباب کے میدان میں قدم رکھ رہے تھے۔زندگی کا یہ وہ دور ہوتا ہے جس سے شخصیت کے متعلق اندازہ کیا جاتا ہے۔نبی مکرم ﷺ کے معاملات پر کسی فرد کو بھی انگشت نمائی کا موقعہ نہ ملا بلکہ ہر ایک نے صادق اور امین کہہ کر پکارا۔

حضرت خدیجہ × حسب ونسب میں اعلیٰ ترین قریش تھیں، مال ودولت کے لحاظ سے بھی ان کا کوئی ہمسر نہ تھا متمول اور خوشحال قبائل کے افراد آپ سے نکاح کرنے کے خواہش مند تھے مگر آپ نے ہر کسی کی خواہش کو ٹھکرایا اور اپنی خاص سہیلی نفیسہ کی وساطت سے حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں اپنے ارادے کا اظہار کیا، آپ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب - سے اس کا ذکر فرمایا تو آپ نے اسے منظور کیا چنانچہ نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی اور وقت مقررہ پر حضرت ابوطالب- اور تمام روساء خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے۔حضرت خدیجہ × کے ہاں تشریف لائے حضرت ابوطالب- نے خطبہ نکاح پڑھا، خطبہ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم وزرع اسماعیل وضئضئ معدٍّ وعنصر مضرٍّ وجعلنا حضنة بیته ....الخ''

''تمام تعریف اس خدائے بزرگ وبرتر کے لیے سزوار ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیم -اور اولاد اسماعیل -ونسل معد اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہم کو اپنے بیت (کعبہ) کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا، ہمارے لیے ایک ایسا گھر قرار دیا جس کا خلق خداحج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی جہاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق امن پاتی ہے ماسوا اس کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔۔۔''

امابعد میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ جن کا اگر کسی شخص سے مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو از روئے فضل وکمال اور باعتبار شرافت ودیانت یہی گرامی تر نکلے گا۔یہ مالدار اور دولت مندی میں اگر چہ کم ہے مگر مال ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور متغیر ومبدل ہوجانے والا حال ہے۔محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کی قرابت جو کچھ مجھ سے ہے آپ لوگ اس کو خوب جانتے ہیں اس نے خدیجہ بنت خویلد سے تزویج کا ارادہ کیا ہے۔اور اس طرح میں نے اپنے مال سے (خدیجہؓ) کے مہر موجل (رقم مقررہ) اور صداق موجل (رقم، مہر جو بروقت ادا کیا جائے) ادا کر دیا، میں خدا کی قسم سے کہتا ہوں کہ محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کے لیے کوئی خبر عظیم اور اعلیٰ ترین منصب نصیب ہونے والا ہے۔[8]

محترم قارئین!

حضرت ابوطالب - کے اس خطبے کو بار بار پڑھیے اور ایک ایک جُملہ پر غور فرمائیے کہ آپ کا ایمان بالتوحید والرسالت کس طرح ظاہر ہورہا ہے اور اپنے آباء واجداد کے ایمان پر بھی کس انداز سے فخر ومباہات فرما رہے ہیں اور

اپنے مال سے حق مہر کی ادائیگی کر رہے ہیں سچ ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کو یقین کامل تھا کہ میرا یہ بیٹا ابو طالب موحد ہے اسی لیے دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضور ﷺ کو کسی اور بیٹے کی نگرانی میں نہ دیا۔ آقائے نامدار علیہ الصلوۃ والسلام پر نزول وحیٔ اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ' کی آیت مبارکہ سے ہوا تو اس کا ذکر حضور ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃؑ الکبریٰ سے فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ -بھی اس وقت آپ کے پاس ہی رہتے تھے، آپ نے اپنے اخبار الٰہی ہونے کا جب قریش پر انکشاف کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہوں تو اعلان نبوت پر قریش میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں جو کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہے یہی کہتا ہوا نظر آتا کہ کچھ سنا ابو طالب - کا بھتیجا محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے یہ خبر پورے مکہ اور اس کے گردونواح کی آبادیوں میں پھیل گئی ہر طرف سے تعجب کا اظہار ہو نے لگا کہ محمد ﷺ ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور وہ اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ کہو لا الہ الا اللہ ' اعلان نبوت کے بعد حضرت ابو طالبؑ نے جب دیکھا کہ قریش، حضور نبی کریم ﷺ کی مخالفت پر تُل گئے ہیں تو آپ نے قریش پر جس جذبہ اور جس شجاعانہ انداز سے اپنے خاندان کی عظمت ایمان بالتوحید اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت و نصرت کے لیے جان کی قربانی تک کی پرواہ نہ کرنے کا عرب کے ملکی رواج کے مطابق اشعار میں چیلنج فرمایا۔ تقریباً ایک سو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ سیرۃ ابن ہشام اردو کے صفحہ ۲۵۶ تا ۲۶۸ پر ''ابو طالبؑ کا مشہور قصیدہ'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اسے قصیدہ اس لیے کہا گیا کہ اس میں اپنے خاندان کی عظمت و برتری کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کے فضائل و محاسن بھی شامل ہیں۔ حضرت ابو طالب - کی نبی کریم ﷺ کی حفاظت و نصرت اور حمایت و تائید اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا حضرت ابو طالبؑ اعلان نبوت سے ہی آپؐ کے اس مقدس مشن میں برابر کے شریک تھے۔

☆☆☆☆☆

''تمام تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے سزاوار ہے جس نے ہمیں ذریت ابراہیمؑ اور اولاد اسماعیل - و نسل معد اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہم کو اپنے بیت (کعبہ) کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا، ہمارے لیے ایک ایسا گھر قرار دیا جس کا خلق خدا حج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی جہاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق امن پاتی ہے ماسوا اس کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔۔۔''

حوالہ جات

۱۔ اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب ص ۱۹، مطبعہ محمد آفندی مصر، ۱۳۰۵ھ

۲۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۴، ص ۱۱۵، مطبعۃ السعادہ مصر، ۱۳۲۸ھ الطبعۃ الاولیٰ

۳۔ تفسیر سراج المنیر ج ۴، ص ۵۵۰ تا ۵۵۲ مطبوعہ نولکشور لکھنو، ۱۲۹۳ھ

۴۔ تفسیر کبیر ج ۸، ص ۶۰۰ مطبوعی قسطنطینیہ، ۱۳۰۸ھ

۵۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ ص ۴۵۲ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ، ۱۳۹۰ھ

۶۔ تفسیر ابن کثیر بھامش فتح البیان ج ۵، ص ۲۴۶ مطبعہ بولاق الطبعۃ الاولیٰ مصر، ۱۳۰۱ھ

۷۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۷۵ تحت "ذکر ابی طالب وضمہ رسول اللہ ﷺ، طبع لیدن، ۱۳۲۲ھ

۸۔ المواھب اللدنیہ مع شرح الزرقانی جلد ا ص ۲۰۱، المطبعۃ الازھریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۵ھ،

سبل الھدیٰ والرشاد للشامی جلد ۲، ص ۱۶۵ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۶۸ھ،

شرف المصطفیٰ للحافظ خرکوشی النیشاپوری المتوفیٰ ۴۰۶ھ، جلد اول، ص ۴۱۳ طبع، دار البشائر الاسلامیہ مکہ المکرمہ ۱۴۲۴ھ

سیرت الحلبیہ جلد ا، ص ۲۲۶، مطبعۃ المصطفیٰ، مصر ۱۳۸۴ھ

☆☆☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کی معاشی زندگی پر ایک نظر

روشن علی☆

ا۔بچپن میں آپ کی معاشی زندگی

رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے مبارک موقع پر انسانیت کے خزاں رسیدہ گلشن میں ایمان کی بہار آئی۔کفر کے ایوانوں میں خاک اڑنے لگی اور ہدایت کے چراغ روشن ہونے لگے۔ایوان کسری کے چودہ کنگرے گر گئے،آتش کدہ فارس بجھ گیا اور دریائے ساوا خشک ہو گیا اور آپ ؐ سے ایک ایسا نور نکلا جو پورے آسمان پر مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔[1]

مشہور قول کے مطابق آپ ؐ کے والد گرامی آپ ؐ کی ولادت سے پہلے اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔[2]

اس لئے آپ ؐ کی ولادت کے بعد آپ ؐ کی کفالت کے اخراجات جہاں آپ ؐ کی والدہ اور چچا کے ذمہ تھے وہاں والد گرامی کی طرف سے وراثت سے بھی آپ کی کفالت کا سامان فراہم ہونے لگا تھا۔

ابن سعد اپنی تاریخ الطبقات الکبری میں آپ ؐ کے والد کی میراث کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ترک عبد اللہ ابن عبد المطلب ام ایمن و خمسة اجمال اوارک یعنی تاکل الاراک و قطعة غنم فورث ذالک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فکانت ام ایمن تحضنه و اسمها برکة"۔[3]
>
> عبداللہ ابن عبدالمطلبؑ نے وراثت میں (ایک لونڈی) ام ایمن، پانچ آوارک اونٹ یعنی ؛وہ اونٹ جو پیلو کے درخت کے پتے کھاتے ہوں، چند بھیڑیں جو آپ ؐ کو میراث میں ملیں۔یہی ام ایمن ہیں جس نے آپ ؐ کی پرورش کی تھی،جس کا اصل نام برکۃ تھا۔

☆اسٹنٹ پروفیسر،وفاقی نظامت تعلیمات،اسلام آباد

والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ ؐ کی پرورش اور معاشی کفالت کی ذمہ داری آپ ؐ کے دادا عبدالمطلب نے قبول کی۔ عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ پس دو سال ہی گذرے تھے کہ آپ ؐ کے شفیق دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو آزمائش میں سرخرو ہونے کا ایک اور موقع فراہم کیا۔

دادا کی وفات کے بعد آپ ؐ کی معاشی کفالت کی ذمہ داری آپ ؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ نے قبول کی۔ وہ آپ ؐ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں وہ آپ ؐ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ قرآن مجید نے ابوطالبؑ کے اس کریمانہ سلوک کو اس طرح بیان کرتا ہے:

" اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی "[5]

''کیا تمہیں نہ پایا یتیم، پھر ٹھکانا دیا''

یہ حقیقت ہے کہ اس شفیق چچا نے اپنے یتیم بھتیجے کی معاشی کفالت، نصرت، وحمایت اور تکریم وتجمیل میں اپنی بساط کے مطابق کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ حضرت ابوطالبؑ ہی کے زیر سایہ آپ ؐ نے تجارت کے اصول وضوابط سے آگاہی حاصل کی اور اُس زمانے کی تجارتی دنیا سے آشنا ہوئے۔

۲۔ گلہ بانی

اللہ تعالیٰ کی حکمت میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ اس نے اکثر انبیاء کرام ÷ سے بکریاں چروائیں۔ آپ ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

" لیس من نبی الا و قد رعی الغنم "[6]

''کوئی بھی ایسا نبی نہیں جس نے بکریاں نہ چرائیں ہوں''

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بکریاں چرانے کے ذریعے لوگوں کے ساتھ رعایت اور مدارا کرنے کی تربیت دی ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق - نے ارشاد فرمایا کہ:۔

" ما بعث اللہ نبیا قط حتی یسترعیہ الغنم و یعلمہ بذالک رعیۃ الناس "[7]

''اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا یہاں تک کہ اس سے بکریاں چروائیں تا کہ اس کے ذریعے اسے لوگوں کی رعایت سکھائے''

آپ ؐ نے بھی بکریاں چرائیں جیسا کہ ابن ہشام اپنی سیرت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

"ما من نبی الا و قد رعی الغنم و قیل انت یا رسول اللہ ، قال و انا" [8]

''کوئی بھی ایسا نبی نہیں جس نے بکریاں نہ چرائیں ہوں، پوچھا گیا کہ آپ ؐ نے بھی، فرمایا ہاں میں نے بھی (بکریاں چرائیں ہیں)''

ابواب فقہ میں بکریاں چرانے کو مستحب عمل کہا گیا ہے۔لہٰذا آپؐ بچپن ہی میں جب آپؐ کی عمر مبارک دس سے بارہ سال تھی تو آپؐ نے اپنے چچا کا معاشی ہاتھ بٹانے کے لیے بکریاں چرانا شروع کیں۔علامہ مجلسی بحار الانوار میں ابوداؤد کی روایت بیان کرتے ہیں کہ :۔

"كانت له مائة شاة لايريد ان يزيدو كان صلى الله عليه و آله وسلم كلما ولدت سخلة ذبح مكانها شاة۔" [9]

"آپؐ کے پاس سو(۱۰۰) بکریاں تھیں،ان سے زیادہ(تعداد)بڑھانا نہیں چاہتے تھے،جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو آپؐ اس کی جگہ ایک بکری ذبح کرتے تھے"
(ابوداؤد نے ایک تفصیلی واقع بیان کیا جو اس حدیث میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

۳۔تجارت

جب آپؐ جوان ہوئے تو آپؐ نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔اس ذریعہ معاش کے انتخاب کی وجوہ میں سے نمایاں وجہ یہ تھی کہ آپؐ کے خاندان بنوہاشم اور قریش مکہ بھی تجارت پیشہ تھے۔آپ کے آباء واجداد تجارت ہی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔جیسا کہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"كان اصحاب الايلاف اربعة اخوة: هاشم ، و عبدالشمس، ولمطلب، و نوفل بنو عبد مناف . فاما هاشم فانه كان يؤلف ملك الشام اى اخذ منه حبلا و عهدا يأمن به فى تجارته الى الشام . اخوه عبد الشمس كان يؤلف الى الحبشة. و المطلب الى اليمن . و نوفل الى فارس۔" [10]

اصحاب ایلاف چار بھائی ہیں: ہاشم،عبدالشمس،مطلب اور نوفل ہیں جو اولادعبدالمناف میں سے ہیں۔ ہاشم نے شام کے بادشاہ سے امان نامہ اور تجارتی عہد لیا تھا تاکہ ملک شام کی طرف ان کی تجارت پرامن رہے۔ان کے بھائی عبدالشمس نے حبشہ کے حاکم سے تجارتی معاہدہ کیا تھا۔مطلب نے یمن کے بادشاہ اور نوفل نے ایران کے بادشاہ کسری کے ساتھ تجارتی معاہدہ کیا تھا۔

شام کا تجارتی سفر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے ساتھ عقد جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے آپؐ نے بچپنے ہی میں اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے زیر سایہ تجارت کے بنیادی اصول وضوابط کی تربیت حاصل کر لی تھی۔لہٰذا اسی دوران پہلی بار آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ تجارت کے لیے شام کا سفر کیا تھا،لیکن اس سفر میں آپؐ تاجر کی حیثیت سے نہیں تھے۔

دوسری بار جب آپ ۲۵ سال کے ہوئے تو آپ کی امانت ودیانت اور سچائی مشہور ہوگئی تھی۔حضرت خدیجہ الکبر ی ×

جوعرب کی شریف ترین اور مالدار ترین خاتون تھیں، ان کا تجارتی کاروان اہل مکہ کے تجارتی کاروان کے برابر ہوتا تھا، وہ اپنا مال دے کر تجارت میں شرکت ہو جاتیں تھیں اور شرکاء کے لیے ایک حصہ بھی مقرر کرتی تھیں، خود قریش کے لوگ بھی تاجر تھے۔ جب انہیں رسول ﷺ کی سچائی، امانتداری اور شرافت واخلاق کے واقعات کی خبر پہنچی تو آپ ؐ کو بلوا بھیجا اور درخواست کی کہ آپ ؐ اُن کا مال لیکر میرے ایک غلام کے ساتھ جس کا نام میسرہ تھا، تجارت کے لیے تشریف لے جائیں۔ آپ ؐ کو معاوضہ بھی اس سے زیادہ دوگنی جو دوسرے تاجروں کو دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حضرت خدیجہ × کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ آپ ؐ ان کا سامان لے کر میسرہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوگئے۔[11]

اس سفر میں آپ ؐ نے بہت سا منافع کمایا اور بہت سے معجزات بھی آپ ؐ سے وقوع پذیر ہوئے، یہ تمام واقعات اور عظیم الشان خبریں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ﷺ کو میسرہ نے سنائیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ × نے رسول ﷺ کے ساتھ وصلت کا پیغام بھیجا۔ چونکہ حضرت خدیجہ × قریش کی عورتوں میں نسب وشرف کے لحاظ سے افضل واعلیٰ اور دولت کے لحاظ سے تمام عورتوں میں مالدار تھیں۔ قریش کا ہر شخص اُن سے وصلت کا آرزومند تھا۔[12]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچاؤں سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ؐ حضرت حمزہ بن عبد المطلب ؑ کے ہمراہ تشریف گئے اور اس طرح خدیجہ بنت خویلد سے آپ ؐ کا عقد ہوگیا۔[13]

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے انہیں ۲۰ (بیس) جوان اونٹنیاں دیں۔[14]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ؐ کے پاس اتنا مال تھا کہ آپ ؐ نے انہیں ۲۰ اونٹنیاں حق مہر میں دیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ × نے بھی اپنی تمام دولت آپ ؐ کے سامنے رکھدی یوں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو غنی کردیا۔ یہ گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"وَ وَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغۡنٰی" [15]

''اور آپ کو مفلس پایا اور پھر غنی کردیا''

آپ ؐ کے تجارتی سفر:

اس کے بعد دوبارہ آپ ؐ حضرت خدیجۃ الکبریٰ × کا سامان تجارت لیکر جرش (یمن) تشریف لے گئے۔ جرش یمن کا ایک بہت بڑا شہر تھا۔[16]

اسی طرح آپ ؐ تجارتی غرض سے بحرین بھی تشریف لے گئے۔[17]

یہ تو اعلان نبوت سے پہلے کی آپ ؐ کی معاشی زندگی تھی، بعثت کے بعد جب آپ ؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں بھی آپ کی معیشت کے مختلف ذرائع تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد آپ ؐ کے معاشی حالات:

جب آپ ؐ کے دو بڑے سہارے، حضرت ابو طالب ؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ ×، یکے بعد دیگرے اس دنیا سے

کوچ کر گئے تو اب کوئی ان جیسا مددگار نہ رہا تھا، ان کے فقدان پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"ما نالت منی قریش شیئا اکرهه حتی مات ابو طالب" [18]

ابو طالبؑ کی وفات تک قریش مجھ سے ایسا کوئی (بُرا) سلوک نہ کر سکے، جو مجھے ناپسند ہوا ہو۔

اسی سال کو رسول اللہؐ نے عام الحزن قرار دیا اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ کافی کی روایت ہے کہ:

"لما توفی ابو طالب نزل جبرئیل علی رسول الله صلّی الله علیه و آله وسلم فقال یا محمد اخرج من مکة فلیس لک فیها ناصر" [19]

''جب ابو طالب -کی وفات ہوئی تو آپؐ پر جبریل نازل ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ! آپؐ مکہ سے نکلیں، کیونکہ اب وہاں آپؐ کا کوئی مددگار نہیں ہے''

مدینہ منورہ میں ابتداء میں آپؐ کے صحابہ کرامؓ ، آپؐ اور آپؐ کے اہل خانہ کی معاشی کفالت کیا کرتے تھے۔ انصار مدینہ زراعت پیشہ تھے وہ اپنے کھیتوں میں سے کچھ حصہ وقف کر دیتے تھے اور پکنے کے وقت ایک مخصوص حصہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ [20]

جانور پالنا

جب افراد خانہ کی تعداد بڑھتی گئی تو آپؐ نے ان کی گذر بسر کے لیے کچھ معاشی فعالیت شروع کی۔ آپؐ نے چند بکریاں خریدیں جن کا دودھ آپ ﷺ کے خاندان والے بطور خوراک استعمال کیا کرتے تھے۔ بکریوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ان کی بکریوں کے ساتھ آپؐ کے ذاتی اونٹ اور گھوڑے بھی ہوتے تھے۔ جب ان کی تعداد کافی بڑھ گئی تو مدینہ منورہ کے قریب ایک چراہ گاہ میں یہ جانور رہنے لگے۔ ایک صحابیؓ ان کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اور دودھ آپؐ کے گھر بھیجا دیا جاتا تھا۔ [21]

دیگر بادشاہوں کے تحائف

جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں باقاعدہ اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور آس پاس کے حاکموں کو دین کی دعوت دینے کے لیے مکتوبات لکھے اور اپنے نمائندے بھیجے تو ان بادشاہوں نے آپؐ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔ ان تحائف میں اونٹ گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ شامل تھے۔ (اس کی مختصر وضاحت ہم آپؐ کے جانوروں میں بیان کریں گے۔)

غنائم

آپؐ کی کفار اور اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ بہت سی جنگیں ہوئیں تھیں ان جنگوں میں آپ کو بہت سال مال غنیمت حاصل ہوا، ان میں سے ایک حصہ آپؐ کے لئے خاص ہوتا تھا۔ یہ حصہ آپؐ کو دو صورتوں میں ملتا تھا، ایک مجاہد کی

حیثیت سے اور دوسرا سربراہ مملکت کی حیثیت سے، جس کو قرآن کریم میں خمس کہا گیا ہے، اس مال سے آپ اپنی اور اپنے قرابتداروں کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے:۔

"وَ اعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ." [۲۲]

"جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا جو دن حق اور باطل کی جدائی کا تھا جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں اور اللہ ہر شی پر قدرت رکھتا ہے"۔

مخیّریق کی جائداد کا آپ کو ملنا:

مخیّریق قبیلہ بنوقینقاع کا ایک مالدار یہودی تھا، اسے آپ سے انتہائی عقیدت تھی۔ اور آپ ان کو "خیر یهود" کہا کرتے تھے۔[۲۳]

اس کے سات باغ تھے۔ وہ آپ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک تھا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اگر وہ مر جائیں تو ان کی تمام دولت آپ کی ملکیت ہو جائے گی۔[۲۴]

وہ اسی غزوہ میں قتل ہو گئے اسی طرح اس کی ساری دولت آپ کی ملکیت میں آ گئی۔ اس کے سات باغات کے نام یہ ہیں: العواف، الدلال، البرقة، المثیب، الحسنی، الصافیة، مشربة ام ابراهیمؑ (یہ نام اس لیے رکھا کہ آپ کے بیٹے ابراہیمؑ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہؓ وہاں رہتی تھی)۔ [۲۵]

بنونضیر کی زمین اور نخلستان

اللہ تعالی نے آپ کو بنونضیر کے باغات اور زمین کا مالک بنایا جس کی گواہی قرآن کریم کی سورۂ حشر میں موجود ہے کہ:۔

"اور جس مال کو اللہ نے اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے) کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ،لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔"[۲۶]

بنونضیر نے جب معاہدے کی خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے ان پر چڑھائی کی، جس کی نتیجے میں انہوں نے جلاوطنی قبول کی اور اپنی تمام جائداد چھوڑ دی سوائے منقولات میں سے صرف جتنا اٹھا سکے اتنا لے

گئے۔آپ ؐ نے ان کے منقولات کو تمام مجاہدین میں تقسیم کردیا اور غیر منقولات (زمین اور باغات وغیرہ) اللہ کے حکم کے مطابق اپنے لیے رکھ لیئے۔

عامہ کی روایت کے مطابق بنونضیر کی زمین اور نخلستان آپ ؐ کے لیے خاص تھے:

"کانت اموال بنی نضیر مما آفاء اللہ علی رسوله مما لم یوجف المسلمون علیه بخیل و لا رکاب ، کانت لرسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلم خالصا ینفق علی اھل بیته ."[۲۷]

بنونضیر کے اموال خالصۃ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے تھے جو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کئے تھے جس میں مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، یہ اموال آپ ؐ اپنے اہل بیت پر خرچ کرتے تھے۔

آپ ؐ نے اپنی ازواج کی کفالت کے لیے بنونضیر کے نخلستان، جو آپ ؐ کو غنیمت کے طور پر ملے تھے، کی پیداوار میں سے ایک حصہ مقرر کیا تھا، جسے فروخت کرکے ان کے سال بھر کی گذر بسر کا سامان کیا جاتا تھا۔جب خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج کے لیے فی کس اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ مقرر ہوا تھا۔[۲۸]

خیبر کی آمدنی

آپ ؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کی طرف رخ کیا کیونکہ وہاں کے یہود اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔جب خیبر فتح ہوا تو آپ ؐ نے انہیں اپنی زمینوں سے بے دخل کرنے کے بجائے وہاں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دے دی اس شرط کی بنا پر کہ وہ خیبر کی زمین کاشت کریں گے اور اس کا آدھا حصہ آپ ؐ کو بھیجیں گے۔[۲۹]

خیبر کی زمینوں کی آمدن آپ ؐ کے لیے تھی۔

فدک

فدک حجاز کے بالائی حصہ میں دوسرے قصبات کی طرح ایک مستقل ریاست کا درجہ رکھتا تھا۔اس کی زمین زرخیز اور پیداوار کے لیے مشہور تھی۔بلاذری لکھتے ہیں:۔"فدک حجاز کا ایک شہر ہے، مدینے سے فدک تک دو دن یا تین دن کا سفر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ساتویں ہجری میں یہ بطور غنیمت عطا کیا۔جب نبی پاک ؐ نے خیبر پر حملہ کیا اور اس کے تمام قلعے فتح ہو گئے اور وہاں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر کی آمدنی کا آدھا حصہ دینے کا معاہدہ کیا۔تو یہ خبر فدک والوں تک پہنچی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ ؐ کو اپنی زمین اور اموال کا آدھا حصہ دینے کا معاہدہ کریں گے۔آپ ؐ نے ان کی یہ پیش کش قبول کی۔یہ غنائم خالصۃ رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے کیونکہ اس میں مسلمانوں نے (جنگ کے لیے) نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔" [۳۰]

اس طرح فدک کی زمین آپ ؐ کی ملکیت میں آ گئی۔اور آپ ؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فدک اپنی بیٹی حضرت فاطمہ × کو دے دی۔[۳۱]

وادی القری

یہ وادی مدینہ اور شام کے درمیان ہے، جسے یہودیوں نے قبل از اسلام آباد کیا تھا، یہ بہت سے قصبوں پر مشتمل تھی۔[۳۲]
آپؐ فدک کے بعد وادی القری کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ مختصر محاصرہ کے بعد آپؐ نے وادی القری کو فتح کیا۔ وہاں کے لوگوں نے آپؐ کو اپنی زمین کا آدھا حصہ دینے کا معاہدکیا، جسے آپؐ نے قبول کرلیا۔

وادی التیماء

تیماء شام کی جانب ایک قصبہ ہے جو وادی القری اور شام کے درمیان تھا، یہ شام اور دمشق سے آنے والے حجاج کے راستے میں پڑتا تھا، یہاں پر سموآل یہودی کا قلعہ الابلق الفرد تھا۔[۳۳]
جب رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر اور اہل فدک اور اہل وادی القری کے ساتھ معاہدہ کئے تو اہل تیماء نے بھی آپؐ کو صلح کا پیغام بھیجا آپؐ نے قبول فرمایا اور انہیں اپنی زمین میں رہنے دیا اور وہ اپنی زمین کی پیداوار کا نصف حصہ آپؐ کو دینے پر راضی ہوئے۔[۳۴]

آپ ﷺ کے جانور

(الف) آپؐ کے اونٹ

ابن کثیر کی روایت کے مطابق آپؐ کی تین اونٹنیاں تھیں۔(۱) القصوی (۲) الجدعاء (۳) العضباء،[۳۵]
تہذیب الکمال للمزی کی روایت کے مطابق آپؐ کے پاس بیس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں:۔(۴) الحناء (۵) السمراء (۶) العریس (۷) السعدیہ (۸) البغوم (۹) الیسیرۃ (۱۰) الربی (۱۱) بردۃ جو آپؐ کو ضحاک ابن سفیان الکلابی نے ہدیہ کی تھی یہ دو اونٹنیوں کے برابر دودھ دیتی تھی۔(۱۲) مہرۃ (۱۳) الشقراء (۱۴) القصوی (۱۵) الجدعاء (۱۶) العضباء (۱۷) الصہباء (۱۸) الغیم (۱۹) النوق (۲۰) مروۃ۔[۳۶]
مناقب ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق: (۱) العضباء (۲) الجدعا (۳) القصوی یا اسے القضواء کہا جاتا ہے (۴) الصہباء (۵) البغوم (۶) الغیم (۷) النوق (۸) مردۃ اور دس دودھ دینے والی اونٹنیاں (۹) مہرۃ (۱۰) الشقراء (۱۱) الریا (۱۲) الحبا (۱۳) السمرا (۱۴) العریس (۱۵) السعدیۃ (۱۶) البغوم (۱۷) الیسیرۃ (۱۸) بردۃ۔[۳۷]
سبل الہدی کی روایت کے مطابق آپؐ کی ۴۵ دودھ والی اونٹنیاں تھیں۔[۳۸]
لیکن اس نے تمام کے نام ذکر نہیں کئے۔

(ب) آپؐ کے گھوڑے

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق آپؐ کے گھوڑے یہ تھے:۔(۱) الورد (۲) الطرب (۳) اللزاز (٤) اللحیف

(٥) مرتجز (٦) السکب (٧) الیعسوب (٨) السبحة (٩) ذو العقاب (١٠) الملاوح اسے مراوح بھی کہا جاتا ہے۔[39]

بعض روایات کے مطابق آپؐ کے پاس پندرہ گھوڑے تھے بعض کے مطابق بیس تھے۔[40]

(ج) بغالہ (خچر)

سبل الہدی کی روایت کے مطابق آپؐ کے پاس سات خچر تھے، (١) دلدل جو آپؐ کو شاہ مصر مقوقس نے ہدیہ کیا تھا (٢) فضة جو آپؐ کو فروة بن عمرو الجذامی نے ہدیہ کی تھی۔ (٣) ایک خچر ایلیا کے رئیس نے ہدیہ کیا تھا (٤) ایک خچر کسری نے ہدیہ کیا تھا (٥) ایک دومة الجندل (٦) ایک نجاشی نے ہدیہ کی تھی۔ (٧) حمارة شامیة۔[41]

(د) حمارہ (گدھے)

آپؐ کے پاس دو گدھے تھے بحار الانوار کی روایت کے مطابق (١) یعفور جو مقوقس نے دلدل کے ساتھ آپؐ کو ہدایہ کیا تھا۔ (٢) عفیر فروة جذامی نے فضة کے ساتھ ہدیہ کیا تھا۔[42] سبل الہدی والرشاد کی روایت کے مطابق ان کی تعداد چار تھی دو یہی اور (٣) سعد بن عبادہؓ نے ہدیہ کیے تھے (٤) آپؐ کے کسی صحابی نے ہدیہ کیا تھا۔[43]

(ھ) آپؐ کے بکریاں

آپؐ کی ١٠٠ بھیڑ بکریاں تھیں۔[44]

(١١) آپؐ کی مجموعی زمینی پیداوار

السید مرتضی العسکری نے اپنی کتاب معالم المدرستین میں آپؐ کی معاشیات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، ان میں سے پہلا حصہ: صدقات جو آٹھ تھے:

(١) سب سے پہلے آپؐ کو مخیرّیق یہودی کی وصیت کے مطابق اس کی زمین جو الحوائط السبعة کے نام سے مشہور تھے، ملکیت میں ملی۔ (٢) مدینہ منورہ میں بنو نضیر کی زمین، (٣) (٤) (٥) خیبر کے تین حصے (٦) آدھا فدک (٧) وادی القری کا ثلث (٨) سوق المدینہ جس کو مہزور کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ: آپ کا حق فی تھا جو آپؐ کے لیے خاص تھا۔

تیسرا حصہ: خیبر کا خمس تھا۔ یہ تمام حقوق خاص رسول ﷺ کے لیے خاص تھے، اس میں کوئی اور شریک نہیں تھا۔[45]

....

حوالہ جات

۱۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۸، تاریخ دمشق، ج ۳۷ ص ۳۶۱

۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ۹۹

۳۔ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۰

۴۔ طبقات الکبری لابن سعد، ج ۱ ص، ۱۰۰

۵۔ القرآن، الضحی، ۶

۶۔ اصول الکافی، ج ۱، ۴۴۹۔ صحیح البخاری، ج ۲ ص ۱۵۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۷۸

۷۔ (الشیخ الصدوق (متوفی ۳۸۱ھ ناشر مکتبۃ الحیدریۃ، نجف، ۱۹۶۶ع) علل الشرائع، ج ۱ ص ۳۲

۸۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۰۸

۹۔ بحارالانوار، ج ۶۱ ص ۱۱۶، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۱ ص ۳۸، حدیث نمبر ۱۴۲

۱۰۔ تفسیر القرطبی، ج ۲۰ ص ۲۰۴

۱۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲۱

۱۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲۲

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ القرآن، الضحی: ۸

۱۶۔ ڈاکٹر پروفیسر نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی ص ۸۲

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲ ص ۲۸۳، تاریخ الطبری، ج ۲ ص ۸۰

۱۹۔ الکافی، ج ۱ ص ۴۴۹

۲۰۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی ص ۱۵۳

۲۱۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی ص ۱۵۱

۲۲۔ القرآن، الانفال، آیت، ۴۱

۲۳۔ بحارالانوار، ج ۲۰ ص ۱۳۰

۲۴۔ ایضا

۲۵۔ تہذیب الاحکام، ج ۹ ص ۱۴۵، بحارالانوار، ج ۲۲ ص ۲۹۸

۲۶۔ القرآن، الحشر، ۶

۲۷۔ صحیح البخاری، ج ۶،ص ۵۸،سنن ابوداؤد، ج ۲،حدیث نمبر ۲۹۶۵ ص ۲۲،سنن الترمذی، ج ۳ ص ۱۳۱

۲۸۔ معجم الاوسط، الطبرانی، ج ۲ ص ۲۰۵، عبداللہ ابن قدامہ، مغنی، ج ۵ ص ۵۸۴

۲۹۔ صحیح المسلم، ج ۵،ص ۲۷،سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۱۲۶۔

۳۰۔ معجم البلدان، ج ۴،ص ۲۳۸

۳۱۔ الکافی، ج ا،ص ۵۴۳

۳۲۔ معجم البلدان، ج ۵،ص ۳۴۵

۳۳۔ معجم البلدان، ج ۲،ص ۶۶

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ج ۴ص ۱۳، البدیۃ والنہایۃ، ج ۶،ص ۱۰

۳۶۔ تہذیب الکمال، ج ا،ص ۲۱۱

۳۷۔ مناقب ابن شہرآشوب، ج ا،ص ۱۴۶

۳۸۔ سبل الہدی والرشاد، ج ۷،ص ۴۰۷

۳۹۔ مناقب آل ابی طالب، ج ا،ص ۱۴۶

۴۰۔ سبل الہدی والرشاد، ج ۱۱،ص ۴۱۹

۴۱۔ سبل الہدی والرشاد، ج ۷،ص ۴۰۵

۴۲۔ بحارالانوار، ج ۱۶،ص ۱۰۸

۴۳۔ سبل الہدی والرشاد، ج ۷،ص ۴۰۶

۴۴۔ مناقب لابن شہرآشوب، ج ا، ۱۴۶، بحارالانوار، ج ۶۱ ص ۱۱۶، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ا،ص ۳۸، حدیث نمبر ۱۴۲

۴۵۔ السید مرتضی العسکری، معالمۃ المدرستین، ج ۲،ص ۱۳۱

المراجع والمصادر

ا۔ القرآن الکریم

۲۔ ابن شہرآشوب ابوعبداللہ محمد ابن علی ابن شہر(متوفی ۵۸۸ھ)
''مناقب آل ابی طالب''، المطبعۃ الحیدریۃ النجف الاشرف، سنۃ ۱۳۷۶

۳۔ احمد بن حسین بن علی البیہقی (الموتوفی: ۴۵۸): ''السنن الکبریٰ'' ناشر دارالفکر بیروت لبنان

۴۔ امام ابوالفداءاسماعیل بن کثیر(التوفی ۷۷۴): ''البدایہ والنہایۃ''، ناشر دارالاحیاء التراث، العربی، الطبعۃ الاولی سنۃ ۱۹۸۸

۵۔ امام ابوالفداءاسماعیل بن کثیر(التوفی ۷۷۴): ''السیرۃ النبویۃ'' ناشر دارالمعرفۃ بیروت، طبع اول، سنۃ ۱۳۹۶ھ

۶۔ امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (التوفی ۷۷۴): ''البدیۃ والنہایۃ''، الناشر: دارالاحیاء التراث العربی۔
بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ

۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری (التوفی ۲۵۶ھ): ''صحیح البخاری''، ناشر دارالفکر بیروت، سنۃ ۱۴۰۱ھ

۸۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (التوفی ۹۴۲): ''سبل الہدی والرشاد''، ناشر دارالمکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان،
الطبعۃ الاولیٰ سنۃ ۱۹۹۳ع

۹۔ امام مسلم بن حجّاج القشیری: ''صحیح مسلم''، ناشر دارالفکر بیروت۔ لبنان

۱۰۔ الترمذی محمد ابن عیسی (متوفی ۲۷۹ھ): ''سنن الترمذی''، دارالفکر بیروت، سنۃ ۱۴۰۳ھ

۱۱۔ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی (متوفی ۷۴۲ھ): ''تہذیب الکمال''، الناشر:
موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الرابع سنۃ ۱۴۰۶ھ

۱۲۔ (ڈاکٹر پروفیسر نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، دیال سنگھ لائبریری لاہور

۱۳۔ سلیمان ابن اشعث السجستانی (متوفی ۲۷۵ھ):
''سنن ابی داؤد''، طبع اولیٰ، دارالفکر بیروت، سنۃ ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ع

۱۴۔ السید مرتضی العسکری (معاصر) معالمۃ المدرستین، بیروت، سنۃ ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ع

۱۵۔ شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶ھ):
''معجم البلدان''، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت سنۃ ۱۳۹۹ھ

۱۶۔ (الشیخ الطوسی محمد ابن الحسن (متوفی ۴۶۰ھ): ''تہذیب الاحکام''
الناشر: دارالکتب الاسلامیۃ، الطبعۃ الرابعۃ ۱۳۶۵ش

۱۷۔ الشیخ محمد باقر المجلسی (التوفی ۱۱۱۱ھ) ''بحارالانوار''،
ناشر مؤسسۃ الوفاء بیروت لبنان، الطبع الثانیہ، سنۃ ۱۹۹۳ع

۱۸۔ (الطبرانی سلیمان ابن احمد (متوفی ۳۶۰ھ)، ''معجم الاوسط''، المطبعۃ دارالحرمین، سنۃ ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ع

۱۹۔ عبدالملک بن ہشام الحمیری (التوفی ۲۱۸): ''سیرت النبی ﷺ''
طبع مکتبۃ محمد علی صبیح واولادہ میدان الازہر بمصر سنۃ ۱۳۸۳ھ

۲۰۔ محمد یعقوب کلینی (التوفی ۳۲۹ھ): "اصول کافی" ناشر دارالکتب اسلامیہ تہران، طبع چہارم، سال ۱۳۶۵ھ ش

۲۱۔ (یعقوبی احمد بن ابی یعقوب (متوفی ۲۸۴): ''تاریخ یعقوبی''، الطبع، دارالصادر، بیروت،
ناشر فرہنگ اہل بیت، قم ایران

☆☆☆☆☆

امام خمینیؒ کی نظر میں بعثت رسول ﷺ کا فلسفہ

سید رمیز الحسن موسوی☆

srhm2000@yahoo.com

تاریخی اور کلامی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت، نبوت کی اہم ترین بحث ہے۔ تاریخ انسانیت کا یہ عظیم واقعہ دنیا میں ایک بڑے انقلاب کا باعث بنا ہے اور اس نے پوری تاریخ انسانیت پر اثرات چھوڑے ہیں اور یہ واقعہ نہ فقط اپنے زمانے کے لحاظ سے اہم تھا بلکہ آئندہ زمانے کے لئے بھی اس کی اہمیت اپنے زمانے سے زیادہ اہم ہے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک نبی خاتم ﷺ کی بعثت تھی نہ ایک محدود زمانے اور محدود پیغام کے حامل نبی کی بعثت تھی۔ بعثت پیغمبر ﷺ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس کو جہاں تاریخی حیثیت سے دیکھا گیا ہے وہاں کلامی اور عرفانی نقطۂ نظر سے بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

چونکہ امام خمینیؒ ایک فقیہ، فیلسوف، عارف ہونے کے لحاظ سے ایک ایسے صاحب نظر عالم دین ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو طریقت اور عملیت کے میدان میں پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا عملی تجربہ کیا ہے اور اسے جدید زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی جرائت کی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور لائی ہوئی شریعت پر امام خمینیؒ کے محکم ایمان اور یقین کی دلیل ہے۔

امام خمینیؒ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پیغام یعنی؛ شریعت محمدیہ کو نہ فقط اعتقادی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اس کو عملی میدان میں پیش کرنے اور اس کو دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی سے برتر سمجھتے تھے، اور اسی یقین کامل کے ساتھ اُنہوں نے بعثت رسول ﷺ کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کے احیاء کی کوشش کی اور اسے اپنے یقین محکم کے ساتھ عصر حاضر کے پیچیدہ ترین نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں لاکھڑا کیا اور پوری دنیا پر بعثت پیغمبر ﷺ کی حقانیت ثابت کر دی۔ اس لحاظ سے بعثت اور فلسفہ بعثت کے بارے میں امام خمینیؒ کے افکار و بیانات اور نظریات خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک ایسے عالم دین کے افکار ہیں جو فقط بعثت رسول ﷺ پر علمی و نظریاتی بحث نہیں کرتا بلکہ اسے انسانی معاشرے میں عملی شکل میں پیش کرتا ہے۔

یہ فقط امام خمینیؒ کا امتیاز ہے کہ جنہوں نے پیغام رسالت اور فلسفہ بعثت کو عمل کے میدان میں پیش کیا ہے۔ لہٰذا

☆ مسئول شعبہ تحقیقات، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بہارہ کہو، اسلام آباد

بعثت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں امام خمینیؒ کے افکار فقط ایک عالم دین اور فقیہ کے افکار نہیں بلکہ ایک عارف کامل، ایک فیلسوف اور ایک ماہر سیاستدان اور ایک طاقتور اسلامی حکمران کے افکار ہیں جس نے سیاست رسولؐ اور پیغام بعثت کا تجربہ عملی طور پر کیا ہے۔ اسی خصوصیت کے ساتھ ہم سیرت رسول اللہ ﷺ کے ایک اہم عنوان یعنی؛ ''بعثت رسول اللہ ﷺ'' کے بارے میں امام خمینیؒ کے افکار پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کا عظیم واقعہ

رسول اکرمؐ کی بعثت کا دن پورے زمانے ''مِنَ الازَل اِلی الابد'' باشرف ترین دن ہے۔ چونکہ اس سے بڑا اور کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا ہے۔ دنیا میں بہت سے عظیم واقعات رونما ہوئے ہیں، عظیم انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، انبیائے اولوالعزم مبعوث ہوئے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے واقعات ہو گذرے ہیں لیکن رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں ہے اور اس سے بڑے واقعہ کے رونما ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس عالم میں سوائے خداوند متعال کی ذات مقدس کے، رسول اکرم ﷺ سے عظیم تر ہستی کوئی بھی نہیں ہے اور آپؐ کی بعثت سے بڑا واقعہ بھی کوئی نہیں ہے۔ ایک ایسی بعثت کہ جو رسول خاتمؐ کی بعثت ہے اور عالم امکان کی عظیم ترین شخصیت اور عظیم ترین الٰہی قوانین کی بعثت ہے۔ اور یہ واقعہ اس دن رونما ہوا ہے اسی نے اس دن کو عظمت اور شرافت عطا کی ہے۔ اس طرح کا دن ہمارے پاس ازل و ابد میں نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ لہذا میں اس دن کے موقعہ پر تمام مسلمانوں اور دنیا بھر کے مستضعف لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں [1]

عالم بشریت کا وحی کے فوائد اور تعلیمات سے بہرہ مند ہونا

بعثت کا ایک محرک یہ ہے کہ یہ قرآن کہ جو غیب میں تھا، غیبی صورت میں تھا، (فقط) علم خدا میں تھا اور غیب الغیوب میں تھا، اس عظیم ہستیؐ کے ذریعے، وہ ہستیؐ کہ جس نے بہت زیادہ مجاہدت و ریاضت کرنے اور حقیقی فطرت اور توحیدی فطرت پر ہونے کی وجہ سے اور غیب کے ساتھ رابطہ رکھنے کی وجہ سے اس مقدس کتاب کو مرتبہ غیب سے متنزل کیا ہے بلکہ (یہ مقدس کتاب) مرحلہ بہ مرحلہ نازل ہوئی ہے اور آخر درجہ شہادت (ظاہر) پر پہنچ کر الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور اب ان الفاظ کو ہم اور آپ سب سمجھ سکتے ہیں اور اس کے معانی سے اپنی توان اور (استعداد) کے مطابق فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ بعثت کا مقصد اس دسترخوان نعمت کو لوگوں کے درمیان نزول کے زمانے سے لے کر قیامت تک بچھانا ہے اور یہی بات کتاب خدا کے نزول کے اسباب میں سے ایک سبب اور رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی اصل وجہ ہے ﴿بَعَثَهُ اِلَیْکُم﴾ (اس رسول ﷺ کو تمہاری طرف بھیجا)، وہ رسولؐ تمہارے لیے قرآن اور ان آیات:

''وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتابَ وَالْحِکْمَة'' (سورہ جمعہ، آیت۲)

''(وہ رسولؐ) ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے''

کی تلاوت کرتا ہے۔شاید ان آیات کی مقصود یا ہدف یہی ہو کہ رسول اکرمؐ تزکیہ اور تمام افراد کی تعلیم و تربیت اور اسی کتاب وحکمت کی تعلیم کیلئے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔پس بعثت رسول اکرمؐ کی وجہ وحی اور قرآن کا نزول ہے اور انسانوں کیلئے تلاوت قرآن کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا تزکیہ کریں اور ان کے نفوس گناہ کی اس ظلمت و تاریکی سے پاک ہوں جو ان کے اپنے اندر موجود ہے اور اس پاکیزگی اور تزکیہ کے بعد ان کی روحیں اور اذہان اس قابل ہوں کہ کتاب وحکمت کو سمجھ کر سکیں۔[۲]

نور ہدایت کے حصول کے لئے نفوس کا تزکیہ

جو لوگ بعثت کو ایک الٰہی بعثت سمجھتے ہیں اور بعثت کا محرک تمام مخلوق کی ہدایت جانتے ہیں؛ اُنہیں بعثت کی غرض و غایت کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔اور بعثت کے اس محرک کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔چونکہ خود خداوند متعال نے بعثت کا محرک بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"یَتلوا عَلَیھم آیاتِہِ وَیُزَکِّیھم وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتابَ وَالْحِکْمَۃ"

"تاکہ وہ (رسولؐ) ان پر آیات کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے"(سورہ جمعہ، آیت۲)

انسان میں ہدایت کی روشنی تزکیہ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔[۳]

عظیم ترین علمی وعرفانی انقلاب

بعثت کا مسئلہ اور اسکی ماہیت و برکات کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے ہماری لکنت زدہ زبانوں سے بیان کیا جا سکے۔اس کے پہلو اس قدر وسیع ہیں اور اسکی معنوی اور مادی جہات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کے بارے میں گفتگو کرنے کا میں گمان بھی نہیں کر سکتا۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت نے تمام عالم میں ایک علمی وعرفانی انقلاب برپا کیا ہے کہ جس نے یونانیوں کے خشک اور قدر و قیمت کے حامل فلسفے کو اہل شہود و معرفت کیلئے ایک عرفان حقیقی اور شہود واقعی میں تبدیل کر دیا ہے۔کسی کے لئے بھی قرآن کے اس پہلو کا انکشاف نہیں ہوا سوائے اُن لوگوں کے لئے جو اسکے حقیقی مخاطب ہیں۔حتیٰ بعض پہلو تو "مَن خوطِبَ بہ" کے لئے بھی واضح نہیں ہوئے ہیں۔جن سے فقط ذات ذی الجلال جل جالہ کے اور کوئی بھی آگاہ نہیں ہے۔اگر کوئی قبل از اسلام کے فلسفے اور بعد از اسلام کے فلسفے کا مطالعہ کرے اور ہندوستان وغیرہ میں اس قسم کے مسائل سے سروکار رکھنے والوں کا بعد از اسلام کے عرفا سے (موازنہ کرے) کہ جو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان مسائل میں داخل ہوئے ہیں تو وہ جان لے گا کہ اس حوالے سے کتنا عظیم انقلاب آیا ہے۔حالانکہ اسلام کے عظیم عرفا بھی قرآنی حقائق کو کشف کرنے میں عاجز ہیں۔قرآن کی زبان کہ جو بعثت کی برکت اور رسول خداؐ کی بعثت کی عظیم برکات میں سے ہے۔[۴]

عظیم ترین علمی و عرفانی انقلاب

رسول اکرم ﷺ کی اس ولادت باسعادت کے مختلف پہلو آج تک کسی انسان کو معلوم نہیں ہو سکے۔اس ولادت کی برکت سے فیوض و برکات کے جاری ہونے والے چشمے رسول اکرم ؐ کے قلب مبارک پر وحی کے نزول کی صورت میں اپنے کمال کو پہنچے۔قرآن مجید کا نزول بھی انہی سرچشموں میں سے ایک ہے کہ جس کا کامل فہم کسی ایک کیلئے یہاں تک کہ آخری زمانے کے عقلمند اور غور وخوص کرنے والے افراد کیلئے بھی ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ زبان عصمت سے قرآن کی بیان شدہ حقیقت سے زیادہ آج تک کسی نے قرآنی حقائق سے پردہ نہیں اٹھایا ہے۔جب آپ اسلام سے قبل معرفت وعلوم کی گہرائی، فلسفے اور اجتماعی عدل وانصاف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے انہی معلوم شدہ حقائق نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا ہے کہ جس کی نہ ماضی میں مثال ملتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں امید کی جاسکتی ہے۔

تاریخ عرفان میں آپ دیکھیں کہ اسلام سے پہلے کیا تھا اور اسلام کے بعد اسلام مقدس اور قرآن کریم کی تعلیمات کے ذریعے کیا کچھ ہو گیا ہے۔اسلام سے پہلے کی شخصیات کو دیکھیں مثلاً ارسطو وغیرہ کو دیکھیں؛ وہ عظیم شخصیات تھیں لیکن اس کے باوجود اُن کی کتابوں میں وہ چیز نہیں ملتی جو قرآن کریم میں ملتی ہے۔

ہماری روایات میں یہ جو بعض آیات (کے بارے میں) نقل ہوا ہے کہ مثلاً سورہ توحید اور سورہ حدید کی آخری چھ آیات آخری زمانے کے گہرا سوچ و بچار رکھنے والے دوراندیش لوگوں کے لیے نازل ہوئی ہیں؛ میرے خیال میں اس کی واقعیت اس وقت تک یا اس کے بعد انسان کے لئے جس طرح ہونا چاہیے منکشف نہیں ہو سکے گی۔البتہ اس بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور اس سلسلے میں بہت ہی گرانقدر تحقیقات انجام پا چکی ہیں لیکن اُفق قرآن اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔[۵]

انسان کے ادراک سے بالا معجزہ

بعثت کا واقعہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے بارے میں ہم کوئی بات کر سکیں ہم فقط اسی قدر جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہوا ہے اور اس دنیا میں تدریجاً ایسی چیزیں رونما ہوئی ہیں کہ جو پہلے نہیں تھیں۔وہ تمام معارف وعلوم جو رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی برکت سے پوری دنیا میں پھیلے، ان کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ بشریت ان کے لانے سے عاجز ہے اور جو لوگ صاحب علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معارف کیا ہیں اور ہم کس حد تک ان کا ادراک کر سکتے ہیں؟ تمام انسانوں کا ان معارف وعلوم کے لانے میں عاجز ہونا اور بشریت کے فہم و ادراک سے اس کا مافوق ہونا ایک ایسے انسان کیلئے بہت بڑا معجزہ ہے کہ جس نے زمانۂ جاہلیت میں پرورش پائی اور ایک ایسے ماحول میں تربیت حاصل کی کہ جس میں ان باتوں کا دور دور تک نام ونشان موجود نہیں تھا۔اس زمانے کے لوگ دنیا کے مسائل، عرفانی حقائق، فلسفی نکات اور دیگر مسائل سے قطعی طور پر آشنا نہیں تھے۔آنحضرتؐ نے پوری زندگی اسی خطے

میں گزاری صرف ایک مختصر مدت کیلئے آپ سفر پر تشریف لے گئے اور لوٹ آئے۔ جب ایک انسان اس وقت کو دیکھتا ہے کہ جب آپؐ رسالت پر مبعوث ہوئے تو آپ نے ایسے مطالب پیش کیے کہ جن کا پیش کرنا اور ان کا فہم وادراک بشریت کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ جو اہل نظر افراد کیلئے پیغمبرؐ کی نبوت پر دلیل ہے حالانکہ رسول اکرم ﷺ بذات خود ان مطالب کو بیان نہیں کرسکتے تھے، نہ آپؐ نے تحصیل علم کیا اور نہ ہی آپؐ لکھنا جانتے تھے۔ یہ ایک ایسی عظیم حقیقت ہے جس کے بارے میں بات نہیں کرسکتے اور نہ ہی یہ حقیقت کسی کیلئے کشف ہوئی ہے سوائے خود رسول اکرم ﷺ کیلئے اور ان خاص الخاص افراد کیلئے جو آپؐ سے مربوط ہیں۔

واقعہ بعثت کی عظمت پر پیغمبر ﷺ کے اُمی ہونے کی دلالت

اسلام کے مختلف قسم کے عمیق اور گہرے اجتماعی مسائل ایسے شخص کے اپنے نہیں ہوسکتے جس نے تاریک اور علم سے بے بہرہ ماحول میں زندگی بسر کی ہو یا ہر ماحول ومعاشرے میں پرورش پانے والا انسان کیا اس طرح دنیا میں تمام چیزوں کے علم کو پاسکتا ہے جو موجودہ اور آئندہ زمانے کے عقلی تقاضوں اور معیارات پر پورا اترے یہ صرف ایک معجزہ ہے اور معجزے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا۔[6]

شریعت اسلام کی جامعیت کا اسلام کے وحیانی ہونے پر دلالت کرنا

خاتم المرسلین ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ہمارے دلائل کا نچوڑ یہ ہے کہ جس طرح تخلیق کائنات کی مضبوطی اور اس کی حسن ترتیب وبہترین نظم ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ایک ایسا موجود ہے جو اس کی تنظیم کرتا ہے، جس کا علم تمام باریکیوں، خوبیوں اور کمالات پر محیط ہے۔ اسی طرح ایک شریعت کے احکام کا اتقان، حسن نظام، ترتیب کامل، تمام مادی ومعنوی، دنیوی واخروی، اجتماعی وفردی ضروریات کی مکمّل طور سے پر ذمہ داری قبول کرنا بھی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے منتظم اور چلانے والے کا علم بھی لامحدود ہوگا اور وہ افراد بشر کی ضرورتوں سے واقف ہوگا اور چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ یہ سارا کام ایک ایسے انسان کے عقلی قوتوں کا ہرگز مرہون نہیں ہوسکتا، جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا ہو، جس کی تاریخ حیات ہر قوم وملت کے مورخین نے لکھی ہو، جس نے ایک ایسے ماحول میں تربیت پائی ہو جو کمالات وتعلیمات سے عاری ہو، ایسا شخص اتنا کامل نظام نہیں بنا سکتا۔ اس لئے یقیناً غیب اور ماوراء الطبیعہ سے اس شریعت کی تشریح ہوئی ہے اور وحی والہام کے ذریعے آنحضرتؐ تک پہنچائی گئی ہے:

"وَالحَمْدُلِلّٰهِ عَلیٰ وُضُوحِ الحُجَّة"۔[7]

حوالہ جات

۱۔ صحیفہ نور، ج ۱۲، ص ۱۶۸
۲۔ صحیفہ نور، ج ۱۴، ص ۲۵۲
۳۔ صحیفہ نور، ج ۱۴، ص ۲۵۵
۴۔ صحیفہ نور، ج ۱۷، ص ۲۵۰
۵۔ صحیفہ نور، ج ۱۸، ص ۱۹۰
۶۔ صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۷۸
۷۔ چہل حدیث، ص ۲۰۱، ۲۰۲

منابع

۱۔ چہل حدیث؛ امام خمینیؒ؛ مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ طبع اول ۱۳۷۱ شمسی
۲۔ صحیفہ نور؛ امام خمینیؒ؛ (۲۲ جلد) وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی طبع اول

معرفت کی یقین آوری

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین نادر☆

hasnain1971@yahoo.com

معرفت شناسی کے موضوع پر اپنے سابقہ دو مقالوں میں ہم نے معرفت شناسی کی اہمیت پر روشنی ڈالی، نیز سوفسطائیوں کے اس دعوے پر خطِ بطلان کھینچا کہ علم و معرفت حقیقت نما نہیں ہیں۔ اس مقالہ میں ہم علم و معرفت کی حقیقت نمائی پر اشکالات وارد کرنے والے ایک اور گروہ کے دلائل کا جائزہ لیں گے اور وہ گروہ ہے اہل مادہ یا مادہ کی اصالت کے قائلین کا گروہ۔ تاریخ علم و معرفت نے بعض ایسے دانشور بھی دیکھے ہیں کہ جو فقط مادہ کو اصل و اساس ہستی قرار دیتے ہیں اور ان کے مطابق اس حقیقت ہستی کا ادراک و معرفت بھی تنہا حسی تجربہ کی بنیاد پر قابل حصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ماوراء الطبیعت کے علم اور فلسفی معرفت کے منکر ہیں۔ درحقیقت، مادہ پرستوں کی نظر میں معرفت و شناخت کے باب میں تنہا حسی تجربہ ہی قابل اعتماد ہے۔ ان کے مطابق جس معرفت و شناخت کی بنیاد حس و تجربہ پر استوار نہ ہو اسے کوئی پایہ و اساس حاصل نہیں ہے۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک مقام پر یہ میٹیریالزم از خود شکاکیت کے گرداب میں پھنس جاتی ہے۔ ''اصول فلسفہ و روش ریالزم'' کے چوتھے مقالے کے مقدمہ میں شہید مطہری لکھتے ہیں کہ: ''وہ تمام دانشور جو کسی بھی عنوان کے تحت اس بات کے قائل ہیں کہ ہمارے وہ ادراکات مطلق نہیں جن کا خارجی مصداق پایا جاتا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان ادراکات کی پیدائش میں ہمارے اعصاب، مغز اور ذہن کا نظام دخیل ہے، یہ سب دانشور کسی نہ کسی طرح شکاکین ہی میں سے شمار ہوتے ہیں؛ خواہ وہ خود اس امر کے مدعی بھی کیوں نہ ہوں کہ وہ شکاک نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر معروف جرمن فلاسفر، کانٹ اگرچہ خود اس بات کا منکر ہے کہ وہ شکاک یا سوفسطائی ہے اور وہ خود کو انسانی عقل و فہم کا ناقد شمار کرتا ہے اور (بالخصوص طبیعیات کے باب میں) شکاکین کے بہت سے دلائل پر تنقید کرتا ہے، لیکن اس کا ''کرٹیسیزم'' کا مکتب، درواقع، ''شکاکیت'' ہی کی ایک جدید اور متنوع شکل ہے۔ اسی طرح ڈیالکٹیکل میٹیریالزم بھی جو کہ حقائق کے نسبی ہونے کی قائل ہے، معلومات کی قدر و قیمت کے لحاظ سے شکاکیت ہی کی ایک خاص شکل ہے۔''[1]

☆ پی ایچ ڈی، تہران یونیورسٹی، مدرس جامعہ بعثت رجوعہ سادات

خلاصہ یہ کہ اگر عالم خارج میں مادہ اور عالم معرفت میں تجربہ کی اصالت کو مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عالم معرفت میں فقط سائنسی علوم ہی قابل اعتماد ہیں۔لیکن فلسفہ والہیات جیسے وہ علوم جو ماوراالطبیعت کے بارے میں بحث کرتے ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ نہ عقلی استدلال قابل اعتماد رہتا ہے اور نہ ہی فلسفہ کی مدد سے کسی مطلب کو ثابت کیا جاسکتا یا اس کی نفی کی جاسکتی ہے۔اصالت تجربہ کے عقیدے سے متأثر معروف فرانسوی دانشمند اگوسٹ کونٹ (Auguste Conte) ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے انیسویں صدی عیسوی میں فلسفے اور عقلی استدلال کو رد کیا اور اس نے حس پر استوار ایک حسی فلسفے کی ترویج کی۔اسی طرح بعض میٹیر یالسٹ دانشوروں نے بھی فلسفی معرفت کی حقیقت نمائی کو چیلنج کیا۔

لیکن محقق دانشوروں کے ہاں اصالت مادہ اور اصالت تجربہ کا دعوی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس علم و معرفت کی کئی ایسی انواع واقسام ایسی ہیں کہ جو یقیناً قابل اعتماد ہیں حالانکہ وہ حسی، سائنسی یا تجربی معرفت شمار نہیں ہوتیں۔شناخت کی ان اقسام میں سے ایک قسم ریاضی کے مسائل کی شناخت ومعرفت ہے۔ریاضی کے اعداد وارقام اور ہندسہ وحساب کے مسائل کے بارے میں ہمارا علم یقینی شمار ہوتا ہے۔ریاضی کے اعداد وارقام عالم خارج میں پائے ہی نہیں جاتے کہ ہم انہیں حواس کے ذریعے سمجھیں اور حواس کی خطا سے ان مسائل کے فہم میں خطا کا امکان پیدا ہو جائے۔نقطہ اور خط عالم ذہن سے باہر پائے ہی نہیں جاتے کہ ان کے انعکاس میں حواس خطا کریں اور یوں یہ معرفت نادرست قرار پائے یا غیر قابل اعتماد ہو۔

ریاضی کے مسائل کی شناخت کے ساتھ ساتھ شناخت کی ایک اور قسم جسے اخلاقی شہود وشناخت کہا جاتا ہے، نیز بعض دانشوروں کی نظر میں یقینی معرفت قرار پائی ہے۔یعنی ہماری یہ شناخت کہ مثال کے طور پر عدل اچھا ہے، ظلم برا ہے؛ سچائی نیکی ہے اور جھوٹ برائی ہے وغیرہ وغیرہ، شناخت کی وہ قسم ہے جو یقینی شناخت شمار ہوتی ہے۔شناخت کی یہ قسم بھی قطعا ہمارے حواس کے ذریعے نہیں لی جاتی۔اس قسم کی معرفت وشناخت کا منبع ہمارا باطنی شہود ہوتا ہے۔ بنابرایں، شناخت کی یہ قسم بھی خطا ولغزش سے محفوظ ہے۔اگرچہ بعض فلاسفرز کا کہنا ہے کہ اخلاقی زبان، حقائق کے اظہار کیلئے نہیں بلکہ یہ تو تنہا چند بشری قراردادوں اور اعتبارات کا نام ہے، لیکن بعض اہل تحقیق اس دعوے کے ساتھ قطعا موافق نہیں ہیں۔ان کے نزدیک یقیناً ہمارے پاس ایک ایسی قوت موجود ہے جو شہودی قوت کہلاتی ہے یا جسے اخلاقی قوت بھی کہا جاسکتا ہے۔اس قوت کی مدد سے ہم جو معرفت حاصل کرتے ہیں وہ یقینی معرفت ہوتی ہے اور چونکہ یہ معرفت حواس کی مدد سے حاصل نہیں ہوتی لہٰذا اس میں حواس کی خطا کے سبب خطا کا امکان باقی نہیں رہتا۔

بعض دانشوروں کا کہنا ہے ہماری منطقی معرفت بھی یقینی معرفت شمار ہوتی ہے۔ہماری وہ معلومات جنہیں علم منطق کی اصطلاح میں ''بدیہیات اولیہ'' کہا جاتا ہے، یقینی معرفت مہیا کرتی ہیں۔مثال کے طور پر ہمارا یہ علم ومعرفت کہ "**الکل اعظم من الجزء**". یعنی ''کل'' اپنے ''جزو'' سے بڑا ہوتا ہے، ایک ایسا علم ہے کہ جس کے حصول میں عقل اپنے سے باہر کی دنیا سے بے نیاز ہے۔لہٰذا یہاں خطا کا امکان وجود نہیں رکھتا۔نیز منطقی قضایا میں چونکہ حاکی اور محکی دو

نوں ذہن میں ہوتے ہیں لہٰذا یہاں بھی خطا کا امکان باقی نہیں رہتا۔مثال کے طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ: "**الکلی یصدق علی کثیرین**"، یعنی ایک کلی مفہوم ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ جو کثیر مصادیق پر صادق آ سکتا ہے تو یہاں یہ معرفت، ایک ایسی منطقی حقیقت ہے جو انسان سے باہر کی دنیا سے اس کے عقل میں منعکس نہیں ہوئی کہ سراب کی طرح یہاں بھی حواس کے دھوکہ کھا جانے کا امکان ہو۔ بلکہ یہ معرفت، ایک باطنی حقیقت کا ادراک ہے جس میں خطا کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح وہ قضایا جنہیں علم منطق کی اصطلاح میں ''قضایای حملیہ بحمل اولی'' کہا جاتا ہے، یقینی معرفت ارمغان میں لاتے ہیں۔مثال کے طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ:"**الانسان بشر**" ''یعنی انسان بشر ہے'' تو اس مثال میں ''انسان'' اور ''بشر'' کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہاں موضوع اور محمول میں مفہومی اتحاد ہے لہٰذا اس معرفت میں کسی قسم کی خطا کا امکان باقی نہیں رہتا۔اسی طرح وہ قضایا جنہیں علم منطق میں تحلیلی قضایا کہا جاتا ہے ان میں بھی موضوع ومحمول میں مطابقت میں خطا کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔مثال کے طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ ''پانی تر ہے'' تو اس مثال میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری یہ معرفت خطا پذیر ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شناخت کی یقینی انواع میں سے ایک اور قسم، دوسروں کے اذہان کی شناخت ہے۔ بقول بعضی: ہم نفسیاتی طور پر متمایل ہیں کہ جو چیز بھی ایک خاص انداز اور خاص رویہ اپنائے، ہم اس کی طرف نفس یا ذہن کی نسبت دیں اور یہ کہیں کہ فلاں چیز ''ذہن'' یا ''نفس'' رکھتی ہے۔ ہمارے آس پاس کی اشیاء کی بعض حرکات اور بعض فعالیات حتی عاطفی نگاہیں، یہ بتاتی ہیں کہ ہمارے علاوہ بھی کچھ اور ذہن اور نفس بھی پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ ہماری ہر معرفت حسی معرفت ہو۔ بنابرایں، ژان لاک جیسے دانشوروں کا یہ دعوی کہ: ''عقل میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس سے پہلے حس میں موجود نہ ہو'' پس عقل کا کام، حسی ادراکات کی تجرید وتعمیم ہے''، درست نہیں ہے۔ ہماری بہت سی معلومات حس کے دروازے سے نہیں بلکہ خالصتاً عقلی یا شہودی ہیں۔اور جہاں تک ہماری ان معلومات کا تعلق ہے کہ جنہیں علم حصولی یا نظری معلومات یا علم منطق کی اصطلاح میں نظری قضایا کہا جاتا ہے، اگرچہ اس نوع کی معرفت میں انسان اپنے حواس سے مدد حاصل کرتا ہے اور اس میں خطا کا امکان بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس کا مطلب کسی طور یہ نہیں ہے کہ ہمارے پاس اس معرفت میں خطا سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ ہمارے پاس یہ امکان موجود ہے کہ ہم اُن معلومات کے ذریعے کہ جن میں خطا کا امکان نہ ہو، بہت سے مجہولات اور خارجی حقائق کا قطعی اور یقینی علم حاصل کر سکیں۔ہم حضوری معرفت اور علم منطق کے قوانین کی مدد سے نظری قضایا میں بھی یقین آور اور حقیقی معرفت تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ حصولی معرفت میں ہماری شناخت عبارت ہے عالم خارج کے ہمارے ذہن میں انعکاس سے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذہن میں خارج کا یہ انعکاس صحیح طور سے ہو نہیں سکتا۔ٹھیک ہے اس انعکاس میں بعض اوقات ہمارا فکری مواد صحیح نہیں ہوتا اور بعض اوقات ہمارا فکری مواد تو صحیح ہوتا ہے لیکن ہم قیاس کی صحیح شکل نہیں بنا سکتے۔[۲]

لیکن آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اس اشتباہ میں مبتلا ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ علم منطق میں ''موادفکر'' اور ''قیاس'' دونوں کے اشتباہات کی بخوبی نشاندہی کر دی گئی ہے اور وہ صحیح فکر کرنے کے وہ اصول مرتب کر دیے گئے ہیں کہ ان پر کاربند ہو کر ہم اپنے براہین و دلائل اور فکری عمل میں خطا سے با آسانی بچ سکتے ہیں۔[۳۱]

پس یہاں تک کی مباحث سے نہ تنہا حقیقی معرفت کے حصول کا امکان ثابت ہو جاتا ہے بلکہ معرفت کی بہت سی انواع کی صحت کے بارے میں شک وتردید جائز ہی نہیں ہے۔ ہاں! معرفت کی ایک خاص قسم کے بارے میں شک و تردید جائز اور ممکن ہے اور جہاں یہ تردید ممکن ہے وہاں راہ حل بھی موجود ہے اور اس راہ حل کو اپناتے ہوئے ہم حقیقی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔یعنی ایک ایسی معرفت کہ جس میں خطا ولغزش کا کوئی امکان باقی نہ ہو۔

تجربہ اور صحیح شناخت

بعض لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ معرفت کی صحت یا بطلان کا تنہا معیار تجربہ ہے۔ان کے نزدیک معرفت وہی صحیح ہے جو عملی زندگی میں کام آئے اور فقط وہی نظریات ٹھیک ہو سکتے ہیں جو تجربہ کی کسوٹی پر پورے اترتے ہوں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دعوی بھی باطل ہے۔اگرچہ تجربے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور تجربہ بھی تاریخ کی مانند، معرفت کے حصول کا سرچشمہ ہے؛ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا اصل بات یہ ہے کہ حصولی معرفت کی صحت کا معیار، اس کا علم منطق کے قوانین پر پورا اترنا ہے۔

ہمارے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ خود تجربے کی حقانیت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک بہت سے ایسے اصولوں کو تسلیم نہ کر لیا جائے کہ جو تجربہ پذیر نہیں ہیں۔مثال کے طور پر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ: ''معرفت کی صحت کا تنہا معیار تجربہ ہے'' تو یہ خود یہی دعوی ایک غیر تجربی دعوی ہے۔یہ دعوی ایک ایسا دعوی ہے جسے کبھی بھی تجربہ پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بنا برایں، ہر حصولی معرفت کا معیار تجربہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر بفرض محال ایسا ہو تو پھر کسی بھی معرفت کی صحت یا سقم کے بارے میں حکم لگاتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ آیا وہ معرفت تجربہ پر پوری اتر رہی ہے یا نہیں۔اگر پوری اترے تو ہم یہ کہیں گے کہ:

الف) ''معرفت کی صحت کا تنہا معیار تجربہ ہے''۔

ب) ''معرفت کی یہ خاص قسم تجربہ پر پوری اترتی ہے/ یا پوری نہیں اترتی۔''

ج) ''پس معرفت کی یہ قسم صحیح ہے/ یا صحیح نہیں ہے۔''

لیکن اگر خوب غور کیا جائے تو یہ نتیجہ گیری خود کسی تجربی عمل سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک خالص منطقی اور غیر تجربی استدلال ہے جسے حواس خمسہ کی مدد سے نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی کسی لیبارٹری میں اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ برایں، یہ کہنا کہ معرفت وہی صحیح ہے جو تجربے پر پوری اترے اور عملی زندگی میں انسان کے کام آئے ایک بے جا دعوی ہے کیونکہ عملی زندگی میں کام آنا یا مفید ہونا علم کی صحت کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتا۔ بلکہ چہ بسا ممکن ہے ایک

غلط ادراک ومعرفت عملی زندگی میں کام آجائے اور بعض مواقع پر مفید ثابت ہو۔مثال کے طور پر قدیم علم حیاتیات میں دانشوروں کا دعوی یہ تھا کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے اور زمین اس کا مرکز ہے۔اب اگر چہ یہ نظریہ غلط ثابت ہو چکا ہے لیکن پھر بھی یہ نظریہ انسان کی عملی زندگی میں مفید تھا؛ کیونکہ عام طور پر لوگ اسی غلط نظریے کی بنیاد پر بھی سورج اور چاند گہن کا وقت ٹھیک ٹھیک معین کر لیتے تھے۔اس قسم کی کئی ایسی مثالیں سامنے رکھی جاسکتی ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ انسان کی غلط معلومات بھی اس کی عملی زندگی میں اس کے کام آجائیں۔درج ذیل مثال پر غور فرمائیں:

فرض کریں ایک ٹرین راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے صبح ۷ بجے ۱۲۰ رکلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ملتان کیلئے اور دوسری ٹرین ملتان اسٹیشن سے صبح ۶ بجے ۱۰۰ رکلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے راولپنڈی کیلئے نکلتی ہے اور یہ دونوں ٹرینیں ٹھیک ۱۲ بجے دوپہر لاہور اسٹیشن پر ایک دوسرے کو کراس کرتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔اس حقیقت کے بارے میں ایک شخص کا علم صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔لیکن یہ عین ممکن ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ علم مفید ہو اور عملی زندگی میں کام بھی آئے۔مثال کے طور پر فرض شدہ مثال میں حقیقت کے برعکس، ہوسکتا ہے ایک شخص یہ سمجھتا ہو کہ جو ٹرین راولپنڈی سے چلتی ہے وہ صبح ۶ بجے ۱۰۰ رکلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے نکلتی ہے اور جو ٹرین ملتان سے چلتی ہے وہ صبح ۷ بجے ۱۲۰ رکلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے نکلتی ہے۔اب اس شخص کا یہ علم وادراک غلط ہے لیکن یہی ادراک اس کیلئے مفید اور عملی زندگی میں ثمر آور ہے اور وہ شخص ٹھیک ۱۲ بجے دوپہر لاہور اسٹیشن پہنچ کر ملتان یا راولپنڈی کی ٹرین پکڑ سکتا ہے۔

پس نظریات اور علم وادراک کی دنیا میں نتیجے کی صحت کو نظریہ کی صحت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور برعکس، نظریات کی صحت کا معیار بھی فقط عملی زندگی میں ان کا نتیجہ بخش ہونا قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہی وجہ ہے کہ ایک ظالم بادشاہ کی کسی عادل حکمران پر فتح، اس کی عملی زندگی میں تو مفید واقع ہوسکتی ہے لیکن اس کا مطلب کبھی یہ نہیں ہوسکتا کہ پس ظالم کی آئیڈیالوجی صحیح ہے۔خلاصہ یہ کہ اگرچہ تجربہ، معرفت کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے لیکن معرفت کی صحت کا تنہا معیار نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ طباطبائیؒ نے اپنی تفسیر، المیز ان میں عقلی وفلسفی معرفت پر اہل تجربہ کے اشکالات کے جواب میں لکھا ہے کہ:

پہلی، بات تو یہ ہے کہ غیری تجربی معرفت کی صحت اور یقین آوری پر شک کرنے والے اہل تجربہ دانشوروں کے تمام تر اشکالات عقلی ہیں اور انہیں تجربے اور حس کی مدد سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ امر از خود ان کے دعوی پر بطلان کی دلیل ہے۔اہل تجربہ کا غیر تجربی معرفت کے خدشہ دار ہونے پر استدلال، بقول علامہؒ:

"حجة علی بطلان الاعتماد علی المقدمات العقلیة بمقدمات عقلیة، فیلزم من صحة الحجة فسادها"[۴]

علامہ کی اس بیان کی سہل الفاظ میں تشریح شہید مرتضی مطہری کے اس بیان سے ہو جاتی ہے کہ:

''تعجب اس بات پر ہے کہ یہ لوگ خود کو حس اور تجربے کا پیرو کار قرار دیتے ہیں لیکن عین اسی وقت ایسے مسائل کے بارے میں بھی مثبت یا منفی رویہ اختیار کرتے ہیں کہ جنہیں حس اور تجربے کے ذریعے سمجھا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا یہ بات ہمارے ذہن نشین رہے کہ مادہ پرستوں کا فلسفہ اور میٹیریالزم اور ڈیالیکٹک یہ سب نظری اور عقلی مباحث ہیں نہ کہ حسی اور تجربی مباحث۔ بنابرایں، مادہ پرستوں کے نعرے اور ان کے مکتب میں ہماہنگی نہیں پائی جاتی۔ مادی مسلک دانشور اگرچہ حس اور تجربے کی بات کرتے ہیں لیکن آخر کار وہ خالصتاً نظری اور عقلی مباحث میں داخل ہو جاتے ہیں اور عقلی مسائل کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہیں؛ حالانکہ اگر وہ اپنے تجربے اور حس کے ساتھ وفادار ہوتے تو انہیں ان مسائل کے بارے میں بحث بھی نہیں کرنا چاہیے تھی۔''[۵]

دوسری، بات یہ ہے کہ علامہ کے بقول، اگر محض خطا کے وقوع کی وجہ سے عقل قابل اعتماد نہیں ہے تو پھر حس بھی عقل سے کمتر خطا نہیں کرتی؛ پس حس پر بھی اعتماد نہیں ہونا چاہیے۔ نیز حس یا عقل کے خطا کرنے کا اعتراف، خود اس بات کا اعتراف ہے کہ جہاں خطا ہے وہاں صواب بھی ہے۔ کیونکہ اگر خطا کے ہمراہ صواب نہ ہو تو پھر خطا کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ پس کم از کم صواب بھی خطا کے ہمراہ وجود رکھتا ہے۔

تیسری، بات یہ کہ تجربے اور حس کے تکرار سے بھی کسی معرفت کی صحت یا سقم کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا۔ بلکہ حس اور تجربہ کی مدد سے اس وقت تک کسی چیز کے کسی خاصے کے بارے میں اطمینان حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ایک عقلی ادراک اور غیر تجربی معرفت کے ذریعے کسی حسی ادراک کی ایک قیاسی صورت میں تکمیل نہ کر دی جائے۔ مثال کے طور پر جب تک درج ذیل شکل میں ایک قیاس قائم نہ کر دیا جائے، فقط تجربے سے کوئی معرفت حاصل نہیں کی جا سکتی:

"ان هذه الخاصة دائمي الوجود او اكثرى الوجود لهٰذا الموضوع، و لو كانت خاصة لغير هٰذا الموضوع

(و لو لم يكن خاصة لهٰذا الموضوع) لم يكن بدائمي او اكثرى، لكنه دائمي او اكثرى، فهو خاصة لهٰذا الموضوع".

یعنی فلاں خاصہ فلاں موضوع میں دائمی طور پر یا اکثر پایا جاتا ہے اور اگر یہ خاصہ کسی اور موضوع کا خاصہ ہوتا (یا یہ خاصہ اگر اس موضوع کا خاصہ نہ ہوتا) تو دائمی طور پر یا اکثر اس کے ہمراہ نہ ہوتا؛ جبکہ دائماً یا اغلب اسی موضوع کے ہمراہ ہوتا ہے۔ پس یہ خاصہ، اسی موضوع ہی کا خاصہ ہے۔''

اس مثال کی وضاحت بھی اسی امر میں ہے کہ جب ہم تجربے کے ذریعے ثابت کر دیتے ہیں کہ مثال کے طور پر پانی کا خاصہ ۱۰۰ ردرجے سینٹی گریڈ پر کھولتا ہے اور اس تجربے کا تکرار یہ بتاتا ہے کہ پانی دائم یا اغلب ۱۰۰ ردرجے سینٹی گریڈ حرارت ہی پر کھولتا ہے تو یہاں یہ حکم لگانا کہ پس ۱۰۰ رسینٹی گریڈ حرارت پر کھولنا پانی کا خاصہ ہے، از خود ایک عقلی ادراک

ہے۔ دراصل یہاں علامہ طباطبائی یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہر سائنسی تجربے کے پشت پر یہ منطقی استدلال درحقیقت اس تجربہ کی صحت کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور اس یہ استدلال نہ ہو، کوئی بھی سائنسی تجربہ قابل اطمینان نہیں رہے گا۔ پش سائنس کی صحت کی ضمانت، ازخود سائنسی نہیں بلکہ منطقی بنیادوں پر استوار ہے۔

چوتھی، بات یہ کہ خود تجربہ کی صحت کو تجربے سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ تجربے کا تکرار اس وقت مفید ہے کہ جب معلوم ہو کہ ایک ہی شئے کے تجربے کا تکرار کیا جارہا ہے۔ اور یہ حکم خود تجربہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرا تجربہ، بعینہ پہلی شیء ہی کا تجربہ اور پہلے تجربہ ہی کا تکرار ہے۔ پس تجربے کے تکرار کا ادراک، ازخود تجربی نہیں ہے۔ پس خود حس اور تجربے پر اعتماد، خواہ نخواہ عقلی ادراک پر اعتماد کے مساوی ہے۔

پانچویں، بات یہ کہ حس کی مدد سے ہمیشہ جزئیات ہی کو پایا جاسکتا ہے نہ کہ کلیات کو؛ جبکہ علوم ہمیشہ کلی نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ اور کلی مسائل اور جنرل قوانین کا کبھی کسی لیبارٹری میں تجربہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور کسی بھی جزئی امر کا جتنا بھی تجربہ کرلیا جائے اس سے کلی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر اگر سو بار کسی خاص پریشر اور درجہ حرارت پر کسی خاص ظرف کے پانی کو ابالا جائے اور وہ ۱۰۰/درجے حرارت پر جوش کھائے تو پھر بھی فقط اسی خاص ظرف کے پانی کے بارے میں یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ۱۰۰/درجے حرارت پر کھولتا ہے لیکن پانی کی جنس کے بارے میں یہ کلی حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ پانی کا کلی مفہوم ایک عقلی مفہوم ہے جو فقط عقل کی دسترس میں ہے اور حس اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اور حس جس چیز کے ادراک سے قاصر ہے اس پر کوئی مثبت یا منفی حکم لگانے سے بھی قاصر ہے۔ بنابراین، اگر عقلی ادراک پر اعتماد نہ کیا جائے تو ہم کبھی بھی کلیات کو درک نہیں کرسکیں گے اور نہ ہی کوئی کلی حکم لگاسکیں گے۔

علامہ طباطبائی یہاں اپنی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر ہم اپنے ادراکات اور علوم و معارف میں فقط حس اور تجربہ پر اکتفا کرلیں تو ہم کبھی بھی کلی علوم و معارف تک پہنچ نہیں سکتے۔ لیکن انسان کی انسانیت اس امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ کلی علوم و معارف کا حامل ہے۔ اب اگر ان کلی علوم و معارف میں انسان ہمیشہ یا اکثر مقامات پر عقلی ادراک میں خطا کرتا ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ عالم کائنات میں ایک ایسی چیز معرض وجود میں آئے جو ہمیشہ اپنے فعل میں خطا کرے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا ہے عالم کائنات کی کوئی چیز جس فعل کی انجام دہی کیلئے بنائی گئی ہے، اسی فعل میں خطا کرے۔

ہمارے الفاظ میں علامہ یہ فرمارہے ہیں کہ جس طرح عالم کائنات میں ممکن نہیں کہ آگ جو جلانے کے فعل کیلئے بنائی گئی ہے، نہ جلائے اور پانی جو آگ کو بجھانے کے فعل کیلئے بنایا گیا ہے، دائمی طور پر یا اکثر طور پر آگ کو نہ جلائے۔ اسی طرح عالم کائنات میں انسان کا کام ایک معرفتی اور شناختی کام ہے، کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنی معرفت اور شناخت کے کام میں ہمیشہ خطا کرتا ہو اور اس کی کوئی معرفت یقین آور نہ ہو؟

علامہؒ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہاں اس نکتے کا اضافہ کرتے ہیں کہ عالم کائنات میں دو چیزوں کے درمیان جب تک خارجی رابطہ ثابت نہ ہوجائے، تکوین ایک شے کو دوسری کا خاصہ قرار ہی نہیں دیتی۔ مثال کے طور پر

جب تک آگ اور حرارت کے درمیان رابطہ ثابت نہ ہو جائے، حرارت آگ کا خاصہ قرار نہیں پا سکتی۔ اور جب ایسا ہے تو یہ بھی ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ رابطہ ہمیشہ دو ''وجودی'' چیزوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ لیکن خطا ایک ''عدمی'' امر ہے۔ پس خطا اور عقل کے درمیان رابطہ قائم ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ عقل وجودی چیز ہے اور خطا عدمی امر ہے۔ ہاں! اگر کہیں عقلی ادراک میں کوئی خطا سرزد ہو سکتی ہے تو اس کے مخصوص اسباب ہیں جنہیں دور کیا جا سکتا ہے۔[۶]

علامہ طباطبائی کے اس بیان سے شکاکین کے ہمارے معرفت شناسی کے پورے سسٹم اور معرفت کے (Process) پر اشکال کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ہے ہم ہمیشہ ایک خاص معرفت شناختی راہ سے گذر کر اعتقادات تک پہنچتے ہیں لیکن ناممکن ہے یہ راستہ یوں نادرست بنا دیا گیا ہو کہ ہم ہمیشہ یا اکثر اپنی معرفت و ادراک میں خطا کے مرتکب ٹھہریں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ملاحظہ فرمایئے: اصول فلسفہ وروش ریالزم، چاپ دفتر انتشارات اسلامی۔ ایران، ص ۱۱۸۔

۲۔ مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے: ''بوعلی انسان ہے، اور انسان سیاہ پوست ہیں؛ پس بوعلی سیاہ پوست ہے۔'' تو اس مثال میں ہمارا یہ فکری مواد کہ ''انسان سیاہ پوست ہے'' (علم منطق کی اصطلاح میں ''کبریٰ'') غلط ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ: ''زید انسان ہے، اور انسان نوع ہے، پس زید نوع ہے۔'' تو اس مثال میں ہمارے قیاس کی صورت مورد اشکال ہے کیونکہ اس قیاس میں حد وسط کا تکرار نہیں ہوا، کیونکہ پہلے جملہ میں انسان سے مراد انسان کا مصداق اور دوسرے میں اس سے مراد انسان کا کلی مفہوم ہے۔

۳۔ درحقیقت یہ علم منطق ہی ہے جس نے ہمیں تشخیص کی یہ قدرت عطا کی ہے کہ مذکورہ بالا مثالوں میں ہم یہ درک کر سکیں کہ ہم کہاں اپنے فکری مواد میں خطا میں مبتلا ہیں اور کہاں اپنے قیاس کی صورت ترتیب دینے میں۔ پس ہم منطق کی مدد سے نہ تنہا اپنے فکری اشتباہات کی نشاندہی کر سکتے ہیں بلکہ ان کی تصحیح بھی کر سکتے ہیں اور یہ حقیقت، معرفت کی یقین آوری سے میل کھاتی ہے نہ کہ اس کی نفی سے۔

۴۔ طباطبائی، علامہ محمد حسین، تفسیر المیزان، ج ۱، ص ۴۷۔

۵۔ ملاحظہ فرمایئے: اصول فلسفہ وروش ریالزم، مقدمہ مقالہ نمبر ۱، حاشیہ نمبر ۳۔

۶۔ طباطبائی، علامہ محمد حسین، تفسیر المیزان، ج ۱، ص ۴۸۔

☆☆☆☆☆

''سیرۃ النبی ﷺ'' مولانا شبلی نعمانی اور ''اُسوۃ الرسول ﷺ'' سید اولاد حیدر بلگرامی کا تقابلی جائزہ

سید حسین عارف نقوی☆

مولانا شبلی نعمانی[1] (۱۹۱۴ء) نے "سیرۃ النبیؐ" نامی کتاب لکھنی شروع کی جس کی تکمیل اُنکے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی (م۱۹۵۳ء) نے کی یہ مناظرے کا دور تھا ہر دو علما نے بہت سے حقائق احاطہ تحریر میں لانے سے احتراز کیا اور بہت سی نادرست باتوں کا اضافہ کیا اُنکے معاصر مشہور شیعہ دانش ور و عالم سید اولاد حیدر فوق بلگرامی[2] (م۱۹۴۲ء) نے ان مجلدات پر ناقدانہ نظر ڈالی جو پانچ بڑے سائز کی جلدوں میں شائع ہوئی زیرنظر مقالے میں اُن حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جنھیں مصنف علام نے نہایت ستھرے انداز میں پیش کیا ہے سیرہ النبی ﷺ کی پہلی جلد مقدمہ (فن روایت) مقدمہ۲ (تاریخ عرب قبل از اسلام) اور سیرت کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

اسوۃ الرسول جلد اول بڑے سائز کے ۸۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جسے کاظم بک ڈپو دہلی نے دوسری مرتبہ ۱۹۳۵ء میں شائع کیا مقدمہ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کی تکمیل مصنف نے بروز عید الفطر ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ کو، کی باقی صفحات سیرت پر مشتمل ہیں۔ مولانا نعمانی مرحوم نے مقدمہ کتاب میں یہ اطلاع دی ہے کہ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں:۔

پہلے حصے میں عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، آنحضرت ﷺ کی ولادت و وفات........

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے، نبوت کا فرض، تعلیم عقائد، اوامر و نواہی.......

تیسرے حصے میں قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز اور حقائق و اسرار سے بحث ہے۔

چوتھے حصے میں معجزات کی تفصیل ہے۔

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات سے متعلق ہے، انکا سرمایہ معلومات کیا ہے......

☆محقق، کتاب شناس، پرنسپل (ر) ایف جی ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن، اسلام آباد

اسوۃ الرسول کی پانچوں جلدیں بھی انہیں عناوین پر مشتمل ہیں۔
پہلے مقدمے میں مرحوم بلگرامی نے جن حقائق کا اظہار کیا ان کی طرف آتے ہیں ارقام فرماتے ہیں:
۱۔ میری اس کتاب میں میرے مخاطب اصلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی سیرۃ النبیؐ کے دیباچے میں رقم طراز ہیں۔ (ص۱۳)
۲۔ یہ کتاب والیان ملک کی فیاّضانہ استمدادؐ سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی لوگوں نے بڑے اشتیاق سے خریدا مگر جب کتاب پڑھی تو معلوم ہوا، خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم (ص۱۴)
۳۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مجلدات دیکھ کر مفصلہ ذیل رائے قائم کی گئی ہے۔
(i) حقوق بنی ہاشم کے استخفاف واستیصال کے علاوہ جو مدت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے جس کے لیے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوسکتی اس لیے کہ بنی اُمیہ کی جانب داری کے لیے آپ فطرتاً مجبور ہیں بہت سے واقعات قدیمہ اور مشاہدات عظیمہ، جو تاریخ عرب، آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ وآلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے قطعاً مرفوع القلم اور کالعدم فرما دیئے ہیں (ص۱۵) مصنف نے ایسے ۳۶ مقامات کی نشاندہی کی ہے (ص۱۵ تا ۳۰)
۴۔ بخاری کی مرویات میں استبعاد واقرار مولف سیرۃ النبی ﷺ (ص۴۱)
۵۔ نہ شبلی صاحب غایت رسالت کو سمجھ سکے اور نہ بخاری صاحب حقیقت نبوت کو سمجھا سکے اور کیونکہ سمجھ سکتے یا سمجھا سکتے (ص۴۷)
۶۔ سیرۃ النبی ﷺ کی جلدوں میں ایک حدیث بھی ائمہ اہل بیت÷ سے نہیں لی گئی جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگوار قطعی ساقط الاعتبار ہیں اس طریق میں آپ پورے پورے اپنے شیخ الشیوخ امام بخاری کے مقلد ہیں (ص۵۰)
۷۔ شبلی صاحب کی قرارداده معیار صحت حدیث: ہم ذیل میں شبلی صاحب کے قرارداده معیار صحت حدیث کو نقل کر کے اُن کے بعض مقامات پر بالاختصار اپنی تنقیدی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہ دس اصولؑ تحریر کیے ہیں جو مولانا شبلی نعمانی کے قائم کردہ ہیں، ص۹۴
۸۔ واقدی کے حالات میں تو شبلی صاحب لکھ چکے ہیں کہ گویا وہ سلطنت کے ہاتھ بکا ہُوا تھا مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ واقدی ہی پر موقوف نہیں باستثنائے معدودے چند، قریب قریب تمام حضرات سلطنت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔
۹۔ تعجب ہے کہ شمس العلماء شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق اور کامل ادیب (ص۱۴۹) اور آل فاطمہ کی ایسی غلط ترکیب خلاف قاعدہ واصطلاح عرب قلم بند فرمائے شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ وہ توہین بنی فاطمہ× کی کوئی تفصیل کریں تفصیل وتصریح کیسی یہی غنیمت ہے کہ آپ نے توہین اقرار کر دیا وہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ خلوص وعقیدت کے تقاضے سے نہیں بلکہ اپنے علماء کی اظہار ودیانت کی ضرورت سے (ص۱۴۱)

۱۰۔شبلی صاحب نے حضرت علی -اورآل (نبی) فاطمہ× کی توہین اوراحادیث موضوعہ کی کثرت تدوین کے متعلق اپنی عبارت دیباچہ میں جوارشادفرمایا تھااور حقیقتاً ان اُمورکو چھپایا تھا ہم نے اس کی تفصیل وتشریح کر دی[۵] (ص ۱۸۷)

۱۱۔سیرۃ النبی ﷺ کے ابہامات،ضعفات،احذافات،اسقاط اوراستخفاف وواقعات کے کامل مکاشفات کر دیئے جائیں اورشبلی صاحب کے اُن اصول اورموضوعات تالیف کی حقیقت واصلیت بتلادی جائے جن کوسیرت نگاری اور تاریخ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں (ص ۲۴۵)

۱۲۔تالیفات وتصنیفات کے ان اصول مسلمات کی تفصیل وتعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خودغرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اوراقتباسات واستخراجات کا غلط طریقہ نہیں اختیارکیا گیا،اس مسلک اوراس طریقہ تالیف کے خلاف اُسوۃ الرسولؐ میں ہرمسئلہ،ہرواقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دئے جانے کوفرض اول قراردیا گیا ہے۔

۱۳۔مولوی شبلی صاحب کی واقعات صحیح سے صریح چشم پوشی:

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ تاریخی کوجوسیرۃ بنی ہاشم کے لکھنے والے کوقلم بندکرنا ازحد ضروری تھا بالکل مرفوع القلم فرمادیا ہے حالانکہ قریب قریب تمام عربی ماخذوں میں بالتفصیل مندرج ہے (ہاشم کے ساتھ اُمیہ کی مخاصمانہ مخالفت) اورہم نے اُنہیں کے اصل ماخذ ومسند طبقات ابن سعد سے اوپرنقل کیا ہے اکثرحضرات بطورظاہر اس فروگذاشت کومولوی صاحب کی کمال عاقبت اندیشی اورغایت دوربینی تسلیم کریں گے شبلی صاحب نہ کوتاہ قلم ہیں اورنہ سہوونسیان کے ملزم (ص ۶۷)

اُسوۃ الرسولؐ جلددوم ۵۴۶صفحات پرمشتمل ہے جسے باردوم ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کاظم بک ڈپودہلی نے شائع کیا۔

۱۴۔اس جلد میں بھی ان اضافات واحذافات واقعات کی حقیقت کااپنے اپنے مقامات خاص پرانکشاف کردیا گیا ہے جس میں مولانا شبلی نعمانی نے اخفاء سے کام لیا تھا،بہت سے ایسے واقعات وحالات کی بھی نہایت تحقیق سے کامل تحقیق وتنقید کر دی گئی ہے جن کی حقیقت اوراصلیت پرخواہ مخواہ تائیدعقائد تقلیداسلاف اوروہم وقیاس کے رنگارنگ طریقوں سے نقاب افگنی کی گئی ہے۔(ص ۸)

۱۵۔مولوی شبلی نعمانی کا اکثرمقامات پر یہ لکھنا کہ ’’ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی‘‘ یہ بتلاتا ہے کہ (نعوذباللہ) اسلام میں کسی وقت شراب حلال بھی تھی اگرتنزیل حرمت کےاعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے تواور بھی تعجب انگیز ہے[۶] (ص ۳۳)

۱۶۔مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ میں اس مقام پرلکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ابوطالب چونکہ محمد ﷺ کو ذلیل رکھتے تھے،اس لیے اُن سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا بڑے بڑے شرفا اورامرا کے بچے بکریاں چرایا کرتے کرتے تھے۔(ص ۴۲)

۱۷۔شبلی نعمانی نے ابوطالب کا خطبہ نکاح پڑھنا تو تحریرفرمایا ہے مگر اُس خطبے کی عبارت نقل نہیں فرمائی یہ آپ کی کوتاہ قلمی اوراختصار پسندی کا خاص مقام ہے(ص ۹،۸)

۱۸۔شبلی صاحب کا یہ فرمانا کہ ''یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے'' حقیقت ہے کہ شبلی صاحب نبوت ورسالت کی اصلی شان وحقیقت ہی کونہیں سمجھے ہیں۔(ص۹۴)

۱۹۔عکاظ کے خطبے میں حضور ﷺ شریک تھے اس بارے میں فوق مرحوم لکھتے ہیں ''شبلی صاحب نہ اپنے کسی اقرار پر قائم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی مختار پر ذرا اپنے دیباچے میں نقل روایات کے متعلق اپنے مقرر کردہ حدود ونصاب یاد فرمائے جائیں پھر اپنے ادب ومحاضرات کے حوالجات پر غور کیا جائے۔(ص۱۰۶)

۲۰۔رسول اکرم ﷺ کے خاندان کا تغمائے شرافت اسی قدر تھا کہ اس صنم کدے (خانہ کعبہ) کے متولی تھے اور کلید بردار بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ان بتوں کے آگے سرنہیں جھکایا دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی'' بالکل صحیح ہے جناب رسول خدا ﷺ نے کبھی جہالت وضلالت کے افعال ذمیمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اہل وطن کا ساتھ نہ دیا اور نہ اُن میں شرکت فرمائی لیکن مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسولؐ پر مبذول رہتی ہے اور شروع سے لے کر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے افعال ذمیمہ کی تصدیق وشہادت میں خاندان رسولؐ ہی کے ہی رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہے(ص۱۵۵)

۲۱۔شبلی صاحب سادات فیمابین بنو ہاشم اور بنی اُمیہ کا دعویٰ کرتے ہیں تو حق دار کون تھا اور ناحق کون اس کا بھی اظہار کر دیا جائے لیکن اب ایسا نہیں کر سکتے بنی اُمیّہ کی جانب داری جو آپ کا لازمہ فطرت ہے اور جس کا انتظام آپ نے شروع تالیف سے قائم کیا ہے صاف صاف کُھل جائے گی اور تعیم سادات کا جو طلسم باندھا ہے برباد ہو جائے گا(ص۲۱ حاشیہ)

۲۲۔شبلی صاحب نے اپنے اس سوال کے جواب میں کہ انبیاء مرسلین سابقین کے مقابلے میں سرور عالمؐ نے کیا کیا؟ صرف حضرت نوح -اور جناب عیسیٰ -کے استقلال کی مثال دکھلائی ہے حالانکہ مدعائے بحث سے اُن کے حالات کو مناسبت نہیں کیونکہ مدعاء سلسلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج وایذ اظلم وجفا کے مقابلے میں سوائے صبر ورضا کے شکوہ بددعا نہ کی جائے حالانکہ حضرت نوحؑ نے اپنی اُمت کے مظالم سے تنگ آ کر بددعا کی (ص۲۷۹)

۲۳۔شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیلی حالات پر توجہ دیں یہ تو آپ کے اصلی مقصود وموضوع کتاب کے خلاف ہے لیکن ہم بحیثیت واقعہ نگار تمام حالات وواقعات پر نگاہ ڈالنی ضرور ہے اور خصوصا واقعات جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں(۴۰۱)

اُسوۃ الرسول جلد سوم صفحات:۵۲۰

۲۴۔شبلی صاحب کی موقع شناسی اور وقت رسی البتہ قابل تعریف ہے اپنے مطلب کا ایک شوشہ ملنا چاہیے دم کے دم میں مسلسل مضمون تیار(ص۵۶)

۲۵۔اب تو شبلی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ انعقاد علَمُ کا رواج عرب میں ایام جہالت سے لے کر اسلام کی اشاعت تک برابر جاری رہا تو پھر آپ کے یہ دونوں دعوے کہ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا اور یہ (خیبر) پہلا مرتبہ ہے

کہ آپ نے تین علم تیار کرائے کس قدر واقعیت اور حقیقت کے خلاف ہوکر لغو ثابت ہوتا ہے، اب دیکھنا اور دکھلانا باقی رہ گیا ہے کہ شبلی صاحب کو ایسی لغو فرسائی کی کیا ضرورت واقع ہوئی ضرورت تو وہی ثابت ہوتی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خیبر کے علم میں بمقابلہ دیگر علم ہائے معارک اسلامی کے ایک خاص شرف اعزاز اور شان امتیاز تھی (ص ۵۸)

۲۶۔شبلی صاحب کی نقل وترجمہ میں کھلی تحریف:

اصل ماخذ کی عبارت میں تحریف صاحبان تالیف کے لیے بڑی توہین وتضحیک کی باعث ہوتی ہے خصوصا شبلی کے ایسے ذیمقدار اور ذوی اعتبار بزرگ سے ایسی لغزش تو سخت تعجب انگیز ہے آپ نے ابوسفیان کے آخر دقت تک کفر وضلالت کے ثبوت پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کے لیے مکالمہ مذکورہ کو اصل عبارت میں ناتمام چھوڑ کر فورا لکھدیا۔۔۔۔طبری میں اس مکالمے کی وہ عبارت جس میں یہ واقعہ درج ہے اور جس کو آپ اس دلیری سے نقل و ترجمہ میں چھوڑ گئے ہیں (ص ۸،۱۵۷)

شبلی صاحب اوران کے معتقدین نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ اُن کی حق پوشی سے کیا فائدہ ہوا جب کہ اُن کی اس تحریفانہ کوشش کے انکشاف کرنے والے دنیا میں کثرت سے موجود ہیں (ص،۱۵۹)

۲۷۔شبلی صاحب کی دلی کوشش تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضٰی -کی کوئی خصوصیت بے داغ نہ چھوٹے اپنی اس کوشش میں کیسے ہی مجہول، غیر معروف موضوع اور مصنوع کسی قسم کا کوئی واقعہ آپ کو ملنا چاہیے وہ فوراً درج کتاب ہے اب نہ اس وقت آپ کو اصول روایت کی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ خود اپنے سیاق عبارت درست کرنے کی احتیاج دیکھئے قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کا واقعہ جو مشہور متواتر اور متفقہ جمہور ہے۔(ص ۳۴۸)

۲۸۔شبلی صاحب نے اپنی قدیم عادت ومجبوری کی وجہ سے اس واقعہ کو (یمن میں حضرت علی -کی تبلیغی خدمات) احذافات استخفافات اور اختصارات کے خاص انداز سے تحریر فرمایا ہے عادت و مجبوری بھی وہی، فضائل علی -کا خوف دامن گیر ہے۔(ص ۳۵۲)

۲۹۔شبلی صاحب کی کتاب چھپتے ہی اس جھوٹی اور فتنہ انگیز روایت کی (حضرت علی -کی معاذ اللہ شراب خوری) ملک و قوم میں اتنی دھجیاں اُڑ چکی ہیں کہ اس کی موضوعیت ومصنوعیت کا بال تک باقی نہیں چھوڑا گیا ''فتنہ شبلی'' کی دو تیار جلدیں ملک وقوم کے ہاتھوں ہاتھ پہنچ چکیں۔(ص ۳۶۰)

۳۰۔شبلی صاحب کی غرض وخاص تو بنی ہاشم اور اہل بیت ÷ کے خصائص کا استخفاف ہے جو آپ کی تمام تالیفات کا موضوع خاص ہے اس لیے آپ ایسے موقعوں پر اپنے اُن ذخائز موضوعات سے کام لیتے ہیں۔(ص ۴۹۳)

اسوۃ الرسول جلد:۵صفحات:۳۶۸،۳۴۸،۱۳ھ

۳۱۔مولوی شبلی صاحب نعمانی کی سیرۃ النبیؐ میں قبل رسالت سے لے کر خاتمہ رسالت تک جناب رسالت مآبؐ کے

تمام حالات و واقعات تعمیم و معمول کے اصول پر اس طرز خاص سے بیان کیے گئے تھے جو سراپا شان رسالت کے منافی اور بالکل منصب نبوت کے مخالف تھے۔(ص، یکم)

۳۲۔ سیرۃ النبی ﷺ کی جلد سوم جیسے ہی شائع ہوئی اخبار ''مشرق'' گورکھپور میں ایک عرصے تک تنقید و تعریض کے سلسلے کے مضامین نکلتے رہے اور پھر ڈاکٹر محمد عمر صاحب (احمدی) نے ان کو جمع کر کے ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے مطبع مشرق گورکھپور سے شائع کر دیا ڈاکٹر صاحب نے شبلی صاحب کے موجود ضعف استدلال سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی لیکن حقیقت میں اُن کی یہ کوشش ایک بے کار کوشش تھی کیونکہ شبلی صاحب کے ضعف استدلال میں بھی حقیقت حال موجود تھی اور ڈاکٹر صاحب کے تنقیدی نسخہ میں بالکل معدوم و مفقود ڈاکٹر محمد عمر صاحب کے تنقیدی نسخہ میں بالکل معدوم و مفقود ڈاکٹر محمد عمر صاحب نے قریب قریب تمام بشارتہائے رسالت کو توڑ مروڑ کر غلام احمد صاحب قادیانی کی مسیحیت و مہدویت یا نبوت بالمتابعت ثابت کرنی چاہی ہے جو کسی اسلامی اور غیر اسلامی ادبیات تاریخی کے مشاہدات و مقالات سے ثابت نہیں (ص ۳)

یہ پانچویں جلد آنحضرتؐ کی روحانیات، قرآن مجید کے متعلق مخالفین کے متوہمانہ اعتراضات اور اُنکے جوابات، صفات عدلیہ، نبوت، امامت، معاد، فروعات مذہب، اسلام اور حقوق نسواں، اسلام اور مسئلہ طلاق، طلاق، قرآن مجید اور سیاسیات، اسلام اور تمدن وارتقا کی تعلیم، قرآن مجید اور عقلیات، قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی قومی اور ملکی تنظیم جیسے اہم عنوانات پر مشتمل ہے سیرۃ النبیؐ جلد اول کی تلخیص سید عطائے مہدی نے کی جو پاک کتب خانہ اردو بازار، راولپنڈی سے شائع ہوئی۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ

حوالہ جات

ا۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النبیؐ '' کے علاوہ الفاروق بھی معروف ہے الفاروق کے شیعوں کی طرف سے اُن کی زندگی میں مندرجہ ذیل جوابات لکھے گئے:

(ا)الغرق (حصہ اول): مرزا عابد علی بیگ قزلباش، مرادآباد: برلاس پریس، ۱۹۰۵ء، ۲۹۶ص

(۲)الغرق (حصہ دوم): مرزا عابد علی بیگ قزلباش، مرادآباد: برلاس پریس، ۱۹۰۵ء، ۲۷۴ص

(۳)**الذکر الا فلح فیما افسد عمرو اصلح** : قاضی فقیر علی عاقل انصاری

۲۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی اسوۃ الرسول کے علاوہ ترجمہ قرآن شریف ذبح عظیم اور دُرّ مقصود معروف ہیں۔

۳۔ نواب صاحب بھوپال نے کافی مدد کی مکاتیب شبلی جلد اول ص ۲۶۱

لیکن نواب صاحب حیدرآباد (دکن) کی طرف سے اس کتاب کے سلسلے میں چودہ سال تک مدد ملتی رہی دیکھئے۔

(ا)مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی: علی گڑھ تحریک اور ادب اردو، پٹنہ: خدا بخش لائبریری ۱۹۹۹ء

بیرونی مشاہیر ادب اور حیدرآباد (اندھرا پردیش اسٹیٹ آرکاوٗز کے ریکارڈ سے) حیدرآباد (دکن)

روزنامہ سیاست، ۱۹۹۰ء

یہ دونوں مضامین اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کریں گے:

(ا)شبلی نعمانی کی قدردانی (ص ۲۹ تا ۴۰)

(۲) سیرۃ النبی کی تکمیل میں ریاست حیدرآباد کا حصہ، ص (۷۸ تا ۹۵)

۴۔ یہ دس اُصول دیکھے: سیرۃ النبیؐ (جلد یکم) لاہور: ناشران قرآن (س۔ن)

۵۔ حوالہ سابق، ص ۴۹

۶۔ (ا) فتنہ شبلی: سید اختر حسین کھجوا (بہار) ص ۱۱۲

(۲) تحریم الخمر فی الاسلام: مولانا سید احمد علامہ ہندی (م ۱۹۴۶ء) جبل پور: مطبع نادری، ۳۷ص

(۳) ڈاکٹر اسرار احمد (م ۲۰۱۰) نے Q ٹی وی پر ۱۲ جون ۲۰۰۸ء کو دوران تقریر یہی روایت بیان کردی جس سے حضرت علی - کی توہین مقصود تھی۔

مولانا علامہ آفتاب جوادی نے اسکا رد بعنوان ''شان علی مرتضی - ''میں گستاخی کا مدلل جواب راولپنڈی: مرکز مطالعات اسلامی 35A سٹلائٹ ٹاوٗن، ۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

قال امیر المومنین علی ابن ابی طالب -

کیا انہی کرتوتوں سے جنت میں اللہ کے پڑوس میں بسنے اور اس کا گہرا دوست بننے کا ارادہ ہے؟

ارے توبہ!

اللہ کو دھوکہ دے کر اس سے جنت نہیں لی جاسکتی اور بغیر اس کی اطاعت کے اس کی رضامندیاں حاصل نہیں ہوسکتیں۔

خدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جو اوروں کو بھلائی کا حکم دیں اور خود اسے چھوڑ دیں۔ اور دوسروں کو برائی باتوں سے روکیں اور خود اُن پر عمل کرتے رہیں۔

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷)

پاکستانی رسائل کے ''سیرت نمبر''

سید حسین عارف نقوی

پاکستانی رسائل واخبارات کے سینکڑوں سے متجاوز سیرت نمبر شائع ہوئے ہیں، اُن میں سے صرف آٹھ رسائل کی فہرست حاضر خدمت ہے امید ہے اہل علم اس فہرست سے استفادہ کریں گے۔

(۱) ماہانہ اردو ڈائجسٹ لاہور (جلد اول) شعبان، رمضان ۱۴۰۸ھ/اپریل ۱۹۸۸ء

رحمۃ للعالمین نمبر صفحات: ۳۸۴ مدیر ظفر اللہ خان

۱۔	رحمۃ للعالمین کا فیض عام	: الطاف حسین قریشی
۲۔	رحمۃ للعالمین کے حکمت وہدایت سے معمور جواہر آب دار	
۳۔	ایک عالم ہے ثناخواں آپ کا۔ دنیا کے ۴۳ عظیم مورخوں، مفکروں، فلسفیوں، ادیبوں اور دانشوروں کا اعتراف عظمت	: ستار طاہر
۴۔	عہد و پیمان کی سخت آزمائش صلح حدیبیہ کے وقت اور اس کے بعد	: عبدالحق عباس
۵۔	عدل گستری کی لازوال تصویریں	: تفہیم القرآن سے ماخوذ
۶۔	انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ نظر افروز سفر نامہ	: سید ابوالاعلیٰ مودودی
۷۔	رحمۃ للعالمین کے والدین مکرم	: ڈاکٹر احمد التاجی / ترجمہ خدیجہ ترابی
۸۔	سخت جان مرحلے غریبت و محبت کے، خطبات بہاولپور کا ایک باب	: ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۹۔	اخلاق نبوی پر قرآن مجید کی گواہی	:
۱۰۔	حیات طیبہ کے عالمگیر اخلاقی اثرات	: علامہ اقبال
۱۱۔	انسان کامل کا خلق عظیم	: مولانا مرتضی احمد خان میکش / تلخیص ماجد یزدانی

۱۲۔ اسلامی آداب معاشرت

۱۳۔ ہمارے سوالات، دانشوروں کے جوابات : جمیل جالبی، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر سلیم اختر وغیرھم

۱۴۔ قارئین کے لیے سوالات، قارئین کے جوابات : اشفاق احمد وڑائچ، عبدالکریم ثمر، محمد شفیع بلوچ

۱۵۔ عورت کی حیثیت میں ایک عظیم انقلاب، طبقہ خواتین پر رحمۃ للعالمین کے نا قابل فراموش احسانات : حافظ افروغ حسن

۱۶۔ ولادت رسولؐ کی صحیح عیسوی تاریخ : رانا جاوید اقبال

۱۷۔ شرف محنت کا پہلا منشور : رہبر حمیدی

۱۸۔ سیدالانبیاء کے حضور سلام و نعت کے نذرانے : ماہرالقادری، احسان دانش

(۲) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور (جلد دوم) شوال ۱۴۰۹ھ / مئی ۱۹۸۹ء، رحمۃ للعالمین نمبر صفحات: ۳۵۲، مدیر ظفر اللہ خان

۱۹۔ خطبات نبوی کے جواہر پارے : حافظ افروغ حسن

۲۰۔ رسول اکرم ﷺ کی چند جامع دعائیں : مولانا سید ابوالحسن ندوی

۲۱۔ چہل حدیث۔ دو عظیم شاعروں مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا ظفر علی خان کے منظوم ترجمے

۲۲۔ رحمۃ للعالمین کے حضور قائداعظم کا ہدیہ عقیدت

۲۳۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل : مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۲۴۔ اسلام کا شہری نظام : شاہ بلیغ الدین

۲۵۔ عہد نبوی کا نظام حکمرانی۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی عالمانہ اور حیات آفرین تصنیف : تلخیص ادریس صدیقی

۲۶۔ دنیا کا پہلا تحریری دستور۔ اُس تاریخی دستاویز کی مکمل تفصیلات جو مدینۃ النبی میں شہری مملکت کی بنیاد قرار پائی : حافظ افروغ حسن

۲۷۔ پہلی اسلامی ریاست۔ جو معاہدہ عمرانی کی بنیاد پر استوار ہوئی : افضل الرحمٰن

۲۸۔ رسول اکرم ﷺ کی حکمت قیادت، سیرت رسولؐ کے آئینے میں اسلام کے فلسفہ قیادت کا بصیرت افروز مطالعہ : سید اسعد گیلانی

۲۹۔ تاریخ ساز سربراہ مملکت : طالب ہاشمی

۳۰۔	تاجدار مدینہ کی سفارتی حکمت عملی	: حافظ افروغ حسن
۳۱۔	رسالتمآبؐ کا نظام عدل، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدالتی کاروائی کے رہنما خطوط	: جسٹس محمد الیاس
۳۲۔	غزوہ بدر، حق و باطل کے اُس فیصلہ کن معرکے حقیقی اسباب جس نے تاریخ کا دھاوا بدل دیا	
۳۳۔	صلح حدیبیہ	: ڈاکٹر سید عظیم شاہ بخاری
۳۴۔	نعتوں کے گجرے، عربی، فارسی اور اردو شعروں کی ڈالیاں	: ادریس صدیقی
۳۵۔	سیرت رسول ﷺ اور عصری مسائل	: مسعود قریشی
۳۶۔	اسم محمد ﷺ کا ہر حرف بامعنی ہے	: علامہ طاہر القادری

(۳) ماہانہ ''تعمیر افکار'' کراچی، ربیع الاول، جمادی الاول ۱۴۲۸ھ / اپریل۔ جون ۲۰۰۷ء

مدیر: سید عزیز الرحمٰن صفحات ۶۳۹

۳۷۔	فن سیرت	:
۳۸۔	علوم سیرت۔ تعارف، آغاز اور ارتقاء	: ڈاکٹر محمود احمد غازی (م ۲۰۱۰ء)
۳۹۔	فن سیرت نگاری پر ایک نظر	: ڈاکٹر سید عبداللہ
۴۰۔	خیر البشر	: مولانا محمد اسماعیل آزاد
۴۱۔	سیرت رسولؐ کی عظمت	: مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری
۴۲۔	خاتم النبیین ﷺ	: مولانا سید زوار حسین شاہ
۴۳۔	ضرورت نبوت و رسالت	: مفتی غلام قادر
۴۴۔	کچھ نہ تھا اور سب کچھ ہو گیا	: علامہ مناظر احسن گیلانی
۴۵۔	کمال انسانیت	: علامہ عبدالقدوس ہاشمی
۴۶۔	نبوت کا کارنامہ	: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۴۷۔	عظمت رسول ﷺ، قرآن کے آئینے میں	: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
۴۸۔	سراج منیر	: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
۴۹۔	مقام محمدی ﷺ	: پروفیسر یوسف سلیم چشتی
۵۰۔	آنحضرتؐ بہ حیثیت تاریخ ساز	: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
۵۱۔	پیغمبر اسلام ﷺ، تاریخ کے پس منظر اور پیش منظر میں	: مولانا کوثر نیازی
۵۲۔	رحمۃ للعالمین ﷺ کا جمال، اللہ اللہ	: پروفیسر محمد اقبال جاوید
۵۳۔	رحمۃ للعالمین ﷺ	: مولانا ابوالکلام آزاد

۵۴۔	بشیر ونذیر	ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا
۵۵۔	تربیت خودی کا نبوی نصاب	مولانا سید محمد متین ہاشمی
۵۶۔	سراپا ہدایت وکمال	مولانا سلیم اللہ خان
۵۷۔	سیرت نبوی ﷺ کے تمدنی اثرات	مولانا سید رشید احمد ارشد
۵۸۔	سیرت پاک کی چند جھلکیاں	ڈاکٹر سید ابوالحسن بلگرامی
۵۹۔	نبی کریمؐ کا تعلیمی اسوہ	پروفیسر عبدالجبار شاکر (م ۲۰۰۹ء)
۶۰۔	آپ کا خلق عظیم، چند جھلکیاں	مولانا قاری حنیف محمد جالندھری
۶۱۔	سیرت طیبہ کا ابدی پیغام	پروفیسر عبدالجبار شیخ
۶۲۔	سیرت نبوی اور جہاد	مولانا زاہد الراشدی
۶۳۔	بین المذاہب ہم آہنگی اور اُسوہ حسنہ	ڈاکٹر طاہر رضا بخاری
۶۴۔	اُمت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور اُن کا تدراک	ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی
۶۵۔	تدوینی شعور کے ارتقا میں حضور اکرم ﷺ کی تحریروں کے اثرات	محمد اویس صدیقی نانوتوی
۶۶۔	کتب میلاد کی روایات اور انکا استناد	ڈاکٹر محمد سلیم
۶۷۔	شیخ عبدالنبی گنگوہی، شخصیت اور سیرت نگاری	ڈاکٹر نثار احمد
۶۸۔	غزوہ بنی نضیر، سبب اور زمانے کی تعیین	ظفر احمد صدیقی
۶۹۔	سید الانس والجان، ایک مطالعہ	سید عزیز الرحمٰن
۷۰۔	بارگاہِ رسالت میں	مولانا ظفر احمد عثمانی
۷۱۔	تجھ سا کوئی نہیں	حضرت سید نفیس الحسینی
۷۲۔	قصیدہ بردہ کا ایک نقش	سید محمد ابوالخیر کشفی
۷۳۔	معراج نامہ	ڈاکٹر سید محمود احمد غازی
۷۴۔	جدید کتب سیرت ۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۷ء	حافظ محمد عارف گھانچی
۷۵۔	فہرست مقالات ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی	ادارہ
۷۶۔	اشاریہ السیرۃ شمارہ ایک تا سترہ	محمد سعید شیخ

(۴) ماہانہ ’’الدعوۃ‘‘ دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، صفحات: ۴۲۸

دسمبر ۲۰۰۹ء۔ مارچ ۲۰۱۰ء/ ذی الحجہ۔ ربیع الثانی :۱۴۳۱ھ، رحمۃ للعالمین نمبر

۷۷۔	رسول رحمت ﷺ	ڈاکٹر خالد علوی
۷۸۔	رحمۃ للعالمینؐ۔ بحیثیت معلم اخلاق	پیر محمد کرم شاہ

۷۹۔ رحمۃ للعالمین ﷺ	:	ڈاکٹر محمد خالد مسعود
۸۰۔ سرورِ کائنات اور امن عالم	:	ڈاکٹر انعام الحق کوثر
۸۱۔ نبی کریمؐ اپنے گھر میں	:	سید سلیمان ندوی
۸۲۔ رسولِ رحمتؐ کا شانۂ نبویؐ میں	:	نعیم صدیقی
۸۳۔ برصغیر میں سیرت نگاری	:	پروفیسر عبدالجبار شاکر
۸۴۔ رحمۃ للعالمین بحیثیت بانی بلدیاتی نظم ونسق	:	محمد جنید انور
۸۵۔ جسم انسانی پر محسن انسانیت کے احسانات	:	ڈاکٹر رفیق احمد غنچہ
۸۶۔ رسولِ رحمتؐ کا بچوں سے پیار	:	ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر
۸۷۔ نبی رحمتؐ اور حیوانات	:	طاہر صدیق
۸۸۔ رسولِ رحمت اور عورت	:	عفت گل اعزاز
۸۹۔ محسن نسواںؐ	:	شگفتہ عمر
۹۰۔ رسولِ رحمتؐ عہد حاضر کے تناظر میں	:	ڈاکٹر لطف الرحمٰن فاروقی
۹۱۔ رسولِ رحمت مثالی معلم	:	عبدالحنان حامد
۹۲۔ الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر	:	زبیر طارق
۹۳۔ حضرت محمدؐ اور خدمتِ خلق	:	مولانا امیر الدین مہر
۹۴۔ نبی کریم بحیثیت امن واخوت کے علم بردار	:	سید ذاکر شاہ
۹۵۔ رحمۃ للعالمین کی رحمۃ للعالمینی	:	سید عزیز الرحمٰن
۹۶۔ رسولِ رحمت کی رحمت نبوت سے پہلے کی زندگی میں	:	رحمت اللہ زاہد
۹۷۔ اہل قتال اور رحمۃ للعالمین ﷺ	:	سید وحید احمد
۹۸۔ نبی مہربان کی رحمت کے چند مظاہر	:	عبدالفرید بروہی
۹۹۔ نبی رحمت اور دیگر مذاہب	:	سید عزیز الرحمٰن
۱۰۰۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین ﷺ	:	ڈاکٹر محمد شاہد رفیع
۱۰۱۔ احادیث صحیحہ کی روشنی میں نبی کریمؐ بطور رحمۃ للعالمین ﷺ	:	افتخار احمد کاکڑ
۱۰۲۔ کشف الدجیٰ بجماله	:	محمد سفیر الاسلام
۱۰۳۔ موضوعاتی فہرست کتب بہ عنوان رحمۃ للعالمین ﷺ	:	حافظ محمد عارف گھانچی
۱۰۴۔ دعوہ اکیڈمی لائبریری میں سیرت النبیؐ پر اردو کتب	:	محمد رفیق چوہدری

(۵) ششماہی ''علوم اسلامیہ'' انٹرنیشنل سیرۃ النبی نمبر، مدیر پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

رجب۔ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ / جولائی۔ دسمبر ۲۰۰۹ء صفحات (۳۴+۶۴۶)

۱۰۵۔ دعوت تبلیغ کے اسالیب اور اس کی حکمت علمی, اسوہ نبوی کی روشنی میں : ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

۱۰۶۔ دعوت وتبلیغ کا دینی فریضہ اور اعتدال پسندی، تعلیمات نبوی کی روشنی میں : مولانا ڈاکٹر سعید احمد صدیقی

۱۰۷۔ آپ کی تبلیغ اور عمل میں اعتدال پسندی کے نمایاں پہلو : پروفیسر مفتی ثنا اللہ محمود

۱۰۸۔ تبلیغ وعوت کی حکمت عملی اور اعتدال پسندی، تعلیمات نبوی کی روشنی میں : مفتی عظمت اللہ بنوی

۱۰۹۔ تبلیغ بذریعہ تدریس، سیرت طیبہ کی روشنی میں : پروفیسر ڈاکٹر عمر حیات سیال

۱۱۰۔ تبلیغ اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داری سیرت طیبہ کی روشنی میں : پروفیسر ڈاکٹر مخدوم روشن صدیقی

۱۱۱۔ تبلیغ اور مبلغ کے اصول : پروفیسر نصرت جہاں صاحبہ

۱۱۲۔ اعتدال پسندی اور تبلیغ : سید شعیب اختر

۱۱۳۔ آپ کی جنگی حکمت عملی میں اعتدال اور تبلیغ کے پہلو : ڈاکٹر سید وسیم الدین

۱۱۴۔ تبلیغ دین، سیرت طیبہ کی روشنی میں : ڈاکٹر سہیل شفیق

۱۱۵۔ آپ کا غیر مسلموں میں تبلیغ کا طریقہ : ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۱۶۔ مختصر فہرست مجلات سیرۃ النبی نمبر : محمد اقبال جاوید

۱۱۷۔ تعارت وتبصرہ کتب : ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

۱۱۸۔ اشاریہ ششماہی مجلّہ علوم اسلامیہ کراچی ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۹ء : شاہد حنیف

۱۱۹۔ اسلوب الدعوة و الحكمة فی ضوء القرآن والسيرة النبوية (عربی) : ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

۱۲۰۔ سندھی زبان میں مقالے

۱۲۱ Education of Quran & Preaching of Islam in the Light of the Holy Prophet
Hauem Fayyaz Ahmad

۱۲۲ Moderation and Preching in the Light of the Holy Prophet
Prof Muhammad Bilal

۱۲۳ The Role of woman in the spread of Islam in the light of the life of Holy Prophet :
Mrs Syeda Umme Habiba

(٦) فاران گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور،١٩٨٢ء/١٤٠٢ھ،

سیرت نمبر صفحات: (١٤+٢٥٤)

١٢٤۔ پہلی وحی کی پہلی آیت، اسلام کا نظریہ علم	:	سید محمد متین ہاشمی
١٢٥۔ آنحضرتؐ کے ابتدائی نعت گو	:	پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک
١٢٦۔ اردو نعت پر ایک طائرانہ نظر	:	سید امجد الطاف
١٢٧۔ معاشرے کی تشکیل میں سیرۃ النبیؐ کی اہلیت	:	پروفیسر عبدالقیوم
١٢٨۔ ''اخلاق'' نبوت سے اکتساب فیض کی شرط اور علامت	:	پروفیسر حافظ احمد یار
١٢٩۔ روح سنت	:	غلام محمد اسد
١٣٠۔ نظام دفاع اور غزوات	:	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
١٣١۔ مسند امام احمد اور منکرین حدیث	:	مولانا محمد عطاء اللہ حنیف
١٣٢۔ بعثت نبوی اور روحانی انقلاب	:	پروفیسر محمد منور
١٣٣۔ آپؐ کی بردباری	:	پروفیسر خالد خان
١٣٤۔ مسجد نبوی ﷺ	:	عبدالحی صدیقی
١٣٥۔ محمد ﷺ اور شعر و شاعری	:	سعید اقبال قریشی

(٧) سہ ماہی فکر و نظر بین الاقوامی یونیورسٹی، جولائی۔دسمبر ١٩٩٢ء، سیرت نمبر، صفحات: ٤٣١

١٣٦۔ حیات رسولؐ بہ ترتیب زمانی	:	ڈاکٹر محمد میاں صدیقی
١٣٧۔ کلام رسول ﷺ کے ادبی محاسن		
١٣٨۔ حدیث نبوی کا بلاغی اعجاز	:	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
١٣٩۔ ادعیہ ماثورہ، ادبی محاسن	:	ڈاکٹر محمد طفیل
١٤٠۔ مکاتیب نبوی کا ادبی پہلو	:	ڈاکٹر خورشید رضوی
١٤١۔ ہاؤ سازبان میں نعت گوئی	:	ڈاکٹر محمد خالد مسعود
١٤٢۔ ذکر رسول ﷺ (بلوچی اور براہوی ادب کے آئینے میں)	:	ڈاکٹر انعام الحق کوثر
١٤٣۔ پاکستان میں فن نعت	:	راجہ رشید محمود
١٤٤۔ تعلیمات نبویؐ کا ایک ارتقائی جائزہ	:	ڈاکٹر خالق داد ملک
١٤٤۔ تعلیمات نبوی میں سائنسی محرکات	:	پروفیسر امتیاز احمد سعید
١٤٥۔ آنحضرتؐ کا منہج تعلیم	:	غزل کاشمیری
١٤٦۔ عربی مصادر سیرت	:	ڈاکٹر سہیل حسن

۱۴۷۔ اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت : ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

۱۴۸۔ مستشرقین کی کتب سیرت رسول ﷺ : ڈاکٹر محمد ریاض

۱۴۹۔ مقامی زبان میں غیر مسلم مصنفین کی کتب سیرت : ممتاز لیاقت

(۸) ششماہی ''معارف اسلامی'' کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،
جولائی ۲۰۰۹ء۔دسمبر ۲۰۰۹ء، سیرت نمبر، صفحات (۲۳+۴۳۱)، مدیر ڈاکٹر محمد سجاد

۱۵۰۔ حقوق مصطفیٰ ﷺ، آیات وروایات کی روشنی میں ایک جائزہ : پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

۱۵۱۔ اقضیۃ الرسول از ''ابن الطاع'' کا تحقیقی جائزہ : ڈاکٹر محمد ادریس لودھی

۱۵۲۔ سیرت نگاری میں علامہ مقریزی کا منہج واسلوب وخصوصیات : محمد آصف القادری، ڈاکٹر محمد سجاد

۱۵۳۔ عصری سماجی علوم میں سیرت نگاری کے اسالیب : ڈاکٹر محمد جنید ندوی

۱۵۴۔ بلاغت نبوی کی فنی خصوصیات وامتیازات : ڈاکٹر فضل اللہ

۱۵۵۔ معاہدات نبوی (عمومی مطالعہ) : ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

۱۵۶۔ سیرت نگاری میں امام علی حلبی کا اسلوب : نوید احمد شہزاد

۱۵۷۔ تعلیمات نبویؐ اور عالمگیر تہذیب کا تصور : آمنہ صدیقی

۱۵۸۔ خطاطی کی ایک مبارک روایت، حلیہ نبویؐ : خالد یوسفی

۱۵۹۔ الامکانات اللغویۃ للحدیث النبوی الشریف (عربی) : ڈاکٹر محمد احمد حماد

۱۶۰۔ سمت البیان النبوی فی ضوء تحلیل ،خطبه یا
معشر الا نصار (عربی) : پروفیسر محمود حسن مخلوف

۱۶۱۔ اثر الحدیث النبوی الشریف فی اللغة العربیة (عربی) : ڈاکٹر محمد شریف

۱۶۲۔ المعرّبات فی الحدیث النبویؐ (عربی) : ڈاکٹر گل محمد باسل

۱۶۳۔ مداخل حجاجیة علی صدق النبوة (عربی) : ڈاکٹر عبدالباقی عبدالکبیر

۱۶۴۔ مظاهر الوسطیه فی سیرة المصطفیٰؐ (عربی) : ڈاکٹر طاہر محمود

☆☆☆☆☆

الصحیح من سیرة النبی الاعظم ﷺ

سید رمیز الحسن موسوی

قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے نزدیک ایک خاص مقام و منزلت رکھتے ہیں جو کائنات میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔اسی مقام و منزلت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا گوشہ گوشہ مسلمانوں کی زندگی کے لئے نمونۂ عمل ہے اور ہر سچا مسلمان آپؐ کی سیرت کے معمولی سے معمولی حصے کو بھی خصوصی اہمیت دیتا ہے۔اسی سبب سے آپؐ کی حیات مبارکہ کے دوران بھی اور آپؐ کے اس جہان فانی سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی آپ کی زندگانی مبارک کے جزئی ترین واقعات تک کو قلم بند کرنے کی سعی کی گئی ہے اور سیرت النبی ﷺ مسلمان محققین اور اہل قلم کے لئے ایک خاص مضمون کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔لہٰذا آپؐ کی حیات مبارکہ کے بارے میں دنیا کی ہر زندہ زبان میں بے شمار کتب تالیف ہو چکی ہیں خصوصاً عربی، فارسی اور اُردو زبان میں سیرت النبیؐ سے متعلق ایک خاصا ادب موجود ہے جو ان زبانوں کا قیمتی ترین علمی و ادبی سرمایہ شمار ہوتا ہے۔

لیکن سیرت النبیؐ کے موضوع پر اس کثرت تالیف اور تصنیف کے باوجود ایک تشنگی محسوس ہوتی ہے جسکا بڑا سبب ان کتابوں میں غیر تحقیقی مواد ہے جو نہ تو قرآنی نصوص سے ہم آہنگ ہے اور نہ عقلی استدلال اسے قبولیت کی سند عطا کرتا ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سیرت کے بارے میں ہر کتاب ایک خاص مذہبی رجحان کی عکاسی کرتی ہے اور صدر اسلام میں ایک خاص زمانے میں وقتی سیاست کے تحت حدیث نگاری کی ممانعت کی وجہ سے بہت سی صحیح روایات ضبط تحریر میں نہیں آسکی تھیں اور پھر مسلمان حکمرانوں کی ایک خاص سیاست کے تحت حدیث نگاری کا طوفان آجاتا ہے اور سرکاری سرپرستی میں وضع حدیث کا بازار گرم ہو جانے کی وجہ سے جہاں دوسرے اسلامی علوم و معارف تحریف شدہ روایات کا نشانہ بن جاتے ہیں وہاں سیرت النبیؐ کا موضوع بھی اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔چونکہ سیرت اور

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا منبع یہی روایات اور احادیث ہیں جو منابع اولیہ میں نقل ہوئی ہیں اور اُن میں تحریف شدہ مواد کی فراوانی بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں لہذا سیرت النبی ﷺ پر لکھے جانے والی ہر وہ کتاب جو تحقیق و عقلی استدلال اور قرآنی آیات کے ساتھ ہم آہنگی کے بغیر لکھی گئی ہے، اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ اس لحاظ سے ''صحیح روایات سے ماخوذ صحیح سیرت نگاری'' کی اہمیت کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ عقل و درایت اور قرآن و سنت صحیح کے مطابق لکھی جانے والے ہر کتاب، اُن ہزاروں کتب میں ایک درخشان ستارے کی حیثیت رکھتی ہے جو بغیر کسی تحقیق اور عقل و درایت کے اصولوں کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ انہی چند کتابوں میں عصر حاضر کی ایک تحقیقی کتاب '' **الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم**'' ہے کہ جو ابتدائی چند جلدیں منظر عام پر آنے کے بعد اہل علم اور محققین کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔

مئولف کتاب

اس کتاب کے مئولف سید جعفر مرتضیٰ عاملی ہیں جنکا شمار ممتاز شیعہ محققین اور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ سید جعفر مرتضی عاملی، ۲۵ صفر ۱۳۶۴ھ میں لبنان کے علاقے جبل عامل میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ۱۳۸۲ھ میں نجف اشرف چلے گئے اور وہاں کے علمائے دین اور مراجع تقلید سے چھ سال تک بہرہ مند ہونے کے بعد ۱۳۸۸ھ میں وہ حوزہ علمیہ قم منتقل ہوجاتے ہیں اور یہاں تقریباً بیس سال سے بھی زیادہ عرصے تک تحصیل علم اور تحقیق و تالیف میں مشغول رہتے ہیں۔ علامہ جعفر مرتضیٰ اُن لبنانی طلاب میں سے ہیں کہ جو سب سے پہلے حوزہ علمیہ قم میں داخل ہوئے ہیں۔ اس دوران وہ تحصیل علم اور تدریس و تحقیق کے علاوہ قم میں مقیم لبنانی طلاب کی سرپرستی بھی کرتے رہے ہیں۔ آخر کار وہ ۱۴۱۳ھ میں لبنان واپس چلے جاتے ہیں

علامہ عاملی کا شمار سب سے زیادہ کتب تالیف کرنے والے علماء کی فہرست میں ہوتا ہے، اُنہوں نے زیادہ تر کام تاریخ اسلام میں کیا ہے اُن کی بہت سی تحقیقی تالیفات ہیں جن میں سے چند نمایاں نام یہ ہیں:

۱. اکذوبتان حول الشریف الرضی .
۲. اعرف الکتب المحرفة
۳. حدیث الافک
۴. الحیاة السیاسیة للامام الجواد (ع)
۵. الحیاة السیاسیة للامام الحسن (ع)
۶. الحیاة السیاسیة للامام الرضا (ع)
۷. ماساة الزهراء
۸. دراسات وبحوث فی التاریخ والاسلام
۹. زواج المتعة
۱۰. سنابل المجد
۱۱. السوق فی ظل الدولة الاسلامیة
۱۲. کربلا فوق الشبهات

جعفر مرتضیٰ عاملی کی ایک کتاب ''ابوذر؛ مسلمان یا سوشلسٹ'' بھی بہت مشہور ہوئی تھی۔ ان سب کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت اُنکی کتاب '' **الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ** '' کو حاصل ہوئی ہے چونکہ یہ کتاب سیرت نگاری

میں عقلی اور قرآنی اسلوب اور درایت وتحقیق کے اصولوں کی پابندی کرنے کی وجہ سے منفرد سمجھی جاتی ہے اور اس کتاب نے علمی دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے۔

کتاب کی اشاعت

اس کتاب کی ۹ جلدیں پہلے شائع ہوئی تھیں اور اب اس کی جدید اشاعت ۳۵ جلدوں ہوئی ہے، جن کو دارالحدیث قم نے شائع کیا ہے۔ کتاب ''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم** ؐ'' سیرت نگاری میں مفصل ترین تالیف ہے کہ جسے ایک شیعہ عالم نے لکھا ہے اور اپنی تحقیقات کے ذریعے سیرت نگاری میں ایک اہم اضافہ کیا ہے۔

مطالب کتاب

''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم** ؐ'' کی پہلی جلد تاریخ اسلام کے بارے میں تمہیدی مباحث پر مشتمل ہے جس میں تدوین کتاب کے اسلوب اور طریقہ تحقیق کی وضاحت کی گئی ہے۔ مؤلف نے جلد اول میں اموی اور عباسی حکمرانوں کی سنت رسول ؐ کی مخالفانہ سیاست کی وضاحت کی ہے اور سنت رسول ؐ کی تحریف کرنے کے سلسلے میں اُن کی بعض کوششوں کو ذکر کیا ہے۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی اس جلد میں صدر اسلام کے حقائق کو چھپانے اور اُن کی تحریف کرنے کی وجہ سے تاریخ نگاری پر جو غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے ہیں، کو خصوصی طور پر ذکر کرتے ہیں، اُن کی نظر میں تدوین حدیث کی ممانعت، یہودیوں اور اہل کتاب کی تعلیمات کا اسلامی تعلیمات کے اندر داخل ہونا، عدالت صحابہ کے نظریئے کی ترویج، شیعہ راویوں کی روایات کو نظر انداز کرنا اور بعض اہل سنت بزرگوں کے لئے فضیلت تراشی کرنا؛ وہ علل واسباب ہیں کہ جو صحیح سیرت النبی ؐ کی تدوین کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم** ؐ'' کی دوسری جلد تاریخ اسلام کے ابتدائی واقعات سے شروع ہوتی ہے جس میں جزیرۃ العرب کی توصیف، تاریخ کعبہ، قریش کا مقام ومنزلت، رسول اللہ ﷺ کا بچپن، رسول اللہ ﷺ کے سینہ چاک کرنے کی داستان کا تحلیل وتجزیہ، رسول اللہ ﷺ کے شام کی طرف پہلے سفر کی روداد، رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور بعض صحابہ کے ایمان لانے کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تیسری جلد معراج، حبشہ کی طرف ہجرت، شعب ابی طالب، طائف کی طرف ہجرت، انصار کی بیعت اور مدینہ کی طرف آپ ﷺ کی ہجرت جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں بھی مؤلف نے جگہ جگہ اُن روایات پر نقد ونظر کیا ہے کہ جو بعض افراد اور قبائل کے مفاد میں وضع کی گئی ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو پہلی صدی ہجری میں حاکم سیاست خصوصاً اُموی دور حکومت کی خصوصیت شمار ہوتی ہے۔

چوتھی جلد مدینہ کی طرف پیغمبر اکرم ﷺ کی ہجرت سے لیکر بدر سے پہلے کے غزوات تک کو شامل ہے۔ اس جلد میں سہو النبی ؐ جیسے کلامی موضوعات کے بارے میں مؤلف کا نظریہ نیز بعض اسلامی احکام کے دفاع کے بارے میں اُن کا خصوصی رجحان بہت واضح ہے۔ اسی طرح اسلام میں فلسفہ جہاد کے بارے میں بحث بھی تفصیل کے ساتھ آئی ہے اور

اسی کے ضمن میں پہلی اسلامی حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے اقدامات کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔

پانچویں جلد میں سیرت سے متعلق تاریخی واقعات، یعنی؛ جنگ بدر سے لیکر اُحد تک کے واقعات کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے۔اس جلد میں جنگ بدر کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں، جن میں سند روایات میں جو تناقضات پائے جاتے ہیں اُن کی تحقیق بہت اہم ہے۔اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں کسی کتاب نے اس تفصیل کے ساتھ ان مباحث کو ذکر نہیں کیا ہے۔

چھٹی جلد میں مئولف نے تفصیل کے ساتھ جنگ اُحد اور مدینہ کے یہودیوں سے متعلق بعض واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن میں اُن مشکلات کو بھی ذکر کیا ہے جو اس گروہ نے جدید اسلامی حکومت کے لئے ایجاد کر رکھی تھیں۔

ساتویں جلد میں واقعہ ''رجیع'' اور ''بئر معونہ'' کو خاص طور پر پیش کیا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں ہجرت کے چوتھے سال کے بعض جزئی واقعات بھی ذکر ہوئے ہیں۔

آٹھویں جلد غزوۂ بنی نضیر اور جنگ احزاب (خندق) سے پہلے کے واقعات کے بارے میں ہے۔

نویں جلد مکمل طور پر جنگ احزاب (خندق) کے واقعات پر مشتمل ہے۔

دسویں جلد میں کتاب کی فہرستیں پیش کی گئی ہیں۔جبکہ گیارہویں جلد غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ مریسیع کے واقعات پر مشتمل ہے۔باقی جلدوں کی تالیف کا کام ابھی تک جاری تھا، لیکن حال ہی میں اسکی جدید اشاعت ۳۵ جلدوں میں ہوئی ہے جو فی الحال ہماری دسترس میں نہیں ہے۔

خصوصیات کتاب

''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم**ؐ'' کی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت اس کتاب میں نقل ہونے والی تاریخی روایات کو کلامی اعتقادات کے معیار پر پرکھنا ہے۔سید مرتضیٰ جعفر عاملی نے ہر تاریخی واقعے کو اعتقادی اور کلامی معیار پر پرکھا ہے اور جو چیز قرآن اور عقل کی روشنی میں اسلامی اعتقادات کے خلاف تھی اسے جرح و تعدیل اور نقد و نظر کر کے دلیل و برہان کے ساتھ رد کیا ہے۔مئولف جب کلامی عقائد اور تاریخی واقعات کے درمیان تعارض دیکھتے ہیں تو جو چیز قطعی و یقینی نظر آتی ہے اور مستحکم حقائق کی عکاسی کرتی ہے اُسے منقولہ روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

''مسلمہ کلامی مسائل اور جو چیزیں ہمارے مسلمہ یقینی عقائد کی حکایت کرتی ہیں، وہ صحیح اور غلط کی پہچان میں بنیادی و حتمی کردار ادا کرتی ہیں، لہٰذا ہم ان یقینی اعتقادات کے ساتھ تعارض کرنے والی روایت کو قبول نہیں کر سکتے اور یہ چیز ہم چاہیں یا نہ چاہیں خود بخود پیش آجاتی ہے''۔

اسی بنیاد پر وہ بعض اُن تاریخی منقولات کو رد کر دیتے ہیں جو مسلمہ دینی اعتقادات کے ساتھ تعارض رکھتی ہیں۔انہی معیارات میں سے ایک معیار کہ جس سے مئولف محترم نے بہت سی تاریخی روایات کی تحقیق میں استفادہ کیا ہے،

عصمت انبیاء کی کسوٹی ہے۔ مثلاً پیغمبر اکرم ﷺ کے بچپن کے زمانے کے بارے میں بعض روایات اس کسوٹی کی بنا پر مئولف کی جانب سے رد کردی جاتی ہیں کہ ''انه كان معصوماً عما يستقبح قبل البعثة وبعد ها ''۔

اسی طرح بعض مسائل کہ جو اہل سنت کی بعض روایات میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں، مئولف کی طرف سے اسی کسوٹی کی بنا پر رد کردیئے جاتے ہیں، مثلاً: اہل مدینہ کا گانا بجھانا اور پیغمبر اکرم ﷺ کا اسے سننا۔ اُن لوگوں پر لعن کرنا کہ جو لعن کے مستحق نہیں تھے۔، پیغمبر اکرم ﷺ کا اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ، حبشیوں کے رقص کو دیکھنا۔

اسلوب تالیف

اپنی اس گرانقدر تالیف کے اسلوب کے بارے میں خود سید جعفر مرتضی عاملی لکھتے ہیں:

''اکثر و بیشتر، بنیادی طور پر، ہم نے اپنی اس کتاب میں قدماء کی تالیفات کو پیش نظر رکھا ہے اور ان کی جانب رجوع کیا ہے۔ ہم عصر مئولفین کی کتابوں کی جانب کم رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کتابیں صرف مطالب وابواب کی ترتیب میں فرق کے ساتھ عموماً اسلاف کے مطالب کا تکرار ہیں اور پھر اسلاف کے مطالب ہی کی توجیہ اور اس پر گفتگو کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنی تمام کوششوں کو اس بات میں صرف کیا ہے کہ حسین عبارتوں اور پُرکشش کلمات کے ذریعے اسلاف کے لکھے ہوئے مطالب کی تائید اور اسی پر تاکید کی جائے اور ان مطالب کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں انہوں نے کوئی غور وفکر نہیں کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی تحقیق انجام نہیں دی۔۔۔ چاہے یہ مطالب جتنے بھی آپس میں متضاد و متناقص ہوں پھر بھی ان سب کو جمع کرنا ضروری سمجھا ہے اور اس کے لئے ایسی توجیہات تراشی ہیں کہ جن کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی انسان کا ضمیر اسے قبول کرتا ہے''۔ پھر وہ اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں ہماری کوشش رہی ہے کہ ان تمام مطالب کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں تحقیق کریں جن کے تاریخ اسلام اور سیرت نبوی ؐ ہونے کا دعوی کیا گیا ہے، لیکن یہ تحقیق ہماری اس مختصر تصنیف کے مطابق کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بقدر امکان قارئین کو اس تاریخی دور کے حقائق سے تقریباً نزدیک کردیا جائے جو انتہائی نازک وحساس واقعات سے پُر نظر آتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جو بنیادی طور پر ہمیشہ اہل دنیا، نفس پرست ومنفعت طلب افراد اور متعصب لوگوں کی نظر میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے''۔

روایات کے قبول اور رد کرنے کے معیار کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''ہم نے اسلام کے بنیادی اصولوں، قرآن کریم اور پیغبر اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ اور آپ ﷺ کی شخصیت سے کچھ ایسے اصولوں کو حاصل کیا ہے جو روایات کے قبول اور رد کرنے کا معیار ہیں اور انہی کے ذریعے نقل کی جانے والی اکثر روایات کی حیثیت واضح ہوجاتی ہے کہ یہ کس قدر ان مسلّم اور بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے تمام شخصیات کی

سیرت، ان کے اخلاق، ان کے نظریات اور ان کے مئوقف کو سمجھا جا سکتا ہے''۔

یہ کتاب اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ایک نقص بھی رکھتی ہے اور وہ یہ کہ مئولف محترم نے عصر پیغمبر ﷺ کے واقعات کو یکساں انداز میں پیش نہیں کیا چونکہ اُنہوں نے بعض واقعات کو خصوصی توجہ دی ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واقعات پر کئی صفحات صرف ہوئے ہیں لیکن بعض واقعات کو سرسری نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

کتاب کے منابع

سید جعفر مرتضٰی عاملی نے ''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم**ؐ'' کی تالیف میں مختلف تاریخی، کلامی، تفسیری کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن میں اہل سنت کی کتابیں بھی شامل ہیں اور اہل تشیع کی بھی، اگر چہ اُن کے اکثر منابع اہل سنت ہی کی کتابیں ہیں لیکن اعتقادی و تفسیری ابحاث میں اُنہوں نے شیعہ کتب سے بھی بھر پور استفادہ کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے منابع کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ہم نے اپنی کتاب میں جتنے کم سے کم حوالوں، شواہد، دلائل اور ان کے منابع کی ضرورت تھی اسی پر اکتفا کیا ہے اگر چہ کتاب کے مطالب و حقائق کی تائید اور ان پر تاکید کے لئے اور بھی زیادہ حوالوں اور شواہد کا اضافہ کیا جا سکتا تھا''۔

اُردو اور فارسی ترجمے

اس کتاب کے فارسی اور اُردو میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔ فارسی میں اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں۔ فارسی میں ایک ترجمہ ڈاکٹر محمد سپھری نے کیا ہے جو ۱۰ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اُردو میں اس کتاب کی پہلی دو جلدوں کا ترجمہ قم میں ہوا تھا جسے اب جدید تصحیح کے ساتھ معارف اسلام پبلشرز، قم نے شائع کیا ہے۔

....

منابع

(اس مقالے کی تیاری میں ان منابع سے استفادہ کیا گیا ہے)

۱۔ آئینہ پژوهش، سال اول، شمارہ ۵، ص ۶۴، دفتر تبلیغات اسلامی، قم

۲۔ عاملی جعفر مرتضٰی، ''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم**ؐ''
دار الہادی و دار السیرة، طبع چہارم، ۱۹۹۵ء

۳۔ عاملی جعفر مرتضٰی، ''**الصحیح من سیرة النبی الاعظم**ؐ''
اُردو ترجمہ، ج ۲، معارف اسلام پبلشرز ۱۴۲۵ھ قم

۴۔ ماہنامہ موعود، شمارہ ۶۶، تہران

☆☆☆☆☆

RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

Quarterly

Noor-e-Marfat

Moharam , Safar, Rabi-ul-Awal 1432 h

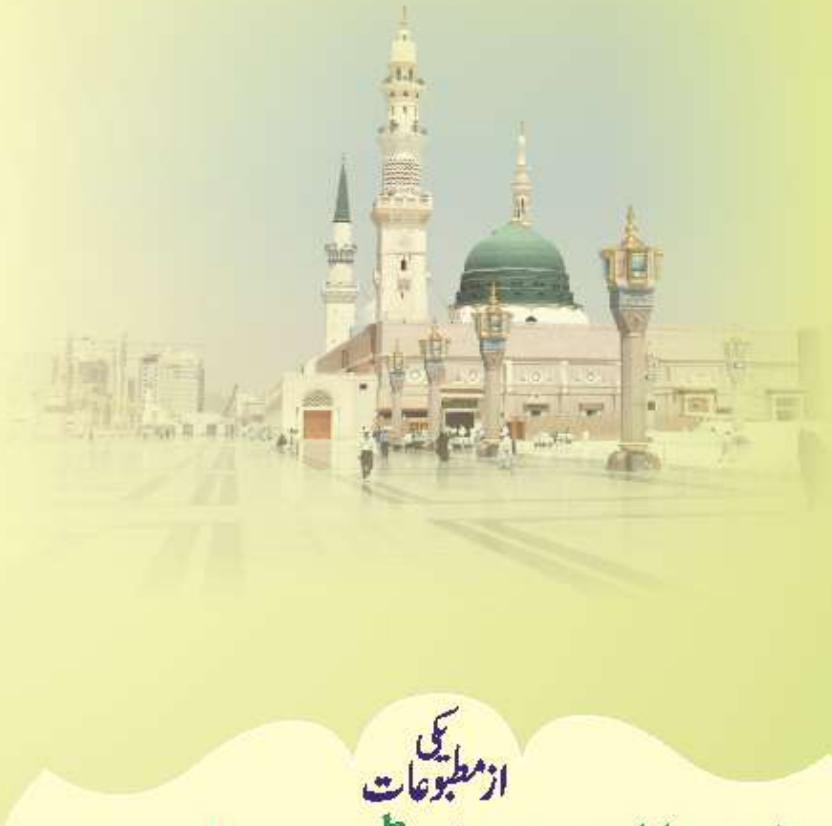

یکی از مطبوعات

نور الهدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937

WEB: WWW.NOOREMARFAT.COM